# دِہلی چلو

(جد و جہد انقلاب کی سرگزشت)

شورش کاشمیری

اُردو اکیڈمی لاہور

مع



بار اول

ستمبر ۱۹۴۶ء

قیمت ۳/

پربودھ چندر کے نام

# فہرس

# دہلی چلو

(علامہ انور صابری)

طالبِ آزادیٔ ہندوستاں دہلی چلو ∴ نوجوانو! کارواں درکارواں دہلی چلو

لو بس گئے پیغام کی تفسیرِ کامل کے لیے ∴ دامنِ دل میں لیے جوشِ جواں دہلی چلو

گونجتی ہے آج بھی کانوں میں نیتاجی کی بات ∴ بادۂ حبِّ "ہند" کے جرعہ کشاں دہلی چلو

موت دیتی ہے سپاہی کو حیاتِ جاوداں ∴ آرزومندِ حیاتِ جاوداں دہلی چلو

سرفروشو! عرصۂ پیکار ہے آخر یہاں ∴ سانس لینے کی بھی گنجائش کہاں دہلی چلو

وہ فضا کی گود میں ہے آتشِ سیالِ جنگ ∴ وہ برستی جا رہی ہیں گولیاں دہلی چلو

جابرانِ دہر سے لینے کی خاطر انتقام ∴ سامنے رکھ کر ستم کی داستاں دہلی چلو

یہ صدا سنتا ہوں میں قبرِ بہادر شاہ سے ∴ بے نیازِ امتیازِ این و آں دہلی چلو

عظمتِ دورِ کہن کب تک یونہی برباد ہو ∴ ہاتھ میں تھامے ہوئے قومی نشاں دہلی چلو

ننگِ اربابِ عمل ہے شیوۂ آہ و فغاں ∴ تا کجا یہ شیوۂ آہ و فغاں دہلی چلو

کفر و ایماں کی غلامی میں ہیں سب بخشش حرام ∴ اس غلط احساس سے دامن کشاں دہلی چلو

جب وطن سے عشق ہے جب تم وطن کی جان ہو ∴ عشق میں کیسا غمِ سود و زیاں دہلی چلو

اپنی اس تصنیفِ تازہ میں بخوشِ رنگِ کلام
کہہ رہا ہے شورشِ رنگیں بیاں دہلی چلو

دیوبند
۲ر جون ۱۹۴۶ء

# آغاز کی بات

(کامریڈ یوسف مہر علی سیکریٹری آل انڈیا کانگریس سوشلسٹ پارٹی بمبئی)

۱۹۴۲ء کے شروع کی ایک سہانی رات کو ایک دراز قامت منحنی نوجوان سنٹرل جیل لاہور کی پولٹیکل بارک میں وارد ہوا۔ چہرے کی دلکشی کو زندانی مصائب کے غبار نے دھندلا دیا تھا۔ اور پاؤں میں پڑی ہوئی زنجیریں جھناجھن کر رہی تھیں۔ "آغا شورش آگیا" ایک آواز نے سبکو اس کے قریب کر دیا۔ شورش سنٹرل جیل منٹگمری سے تبدیل ہو کر آیا تھا۔ اسکی ایذا طلبی کے افسانے عام تھے۔ ایک روز ہی میں اس نے محبت سے دلوں میں اپنی جگہ بنا لی۔ اسکو گفتگو کرنے میں کمال حاصل تھا۔ خوبصورت فقرے اور دلگداز شعر اس کا سرمایہ گفتار تھے۔ قدرت نے اسمیں ایک اچھے ادیب۔ اچھے شاعر اور اچھے خطیب کے گن جمع کر دئے تھے۔ میں جتنی دیر وہاں رہا اس کی گفتگو کا رس میرے لئے شراب خانہ ساز سے سوا تھا۔

میں نے "دہلی چلو" کا مسودہ نہیں دیکھا لیکن اپنے یقین کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ شورش کو اظہار مطالب پر قدرت حاصل ہے اور وہ زبان کی بے خوفی کے ساتھ قلم کی رعنائی بھی رکھتا ہے۔

بمبئی ویو

۲ر جولائی

# مقدمہ

(پروفیسر تلک راج چڈھا - ایم - اے - ایم - ایل - اے پنجاب)

"دہلی چلو" آزاد ہند فوج کا حربی نعرہ تھا۔ جو سبھاش بابو نے برما کے عسکری میدان میں لگایا۔ یہ نعرہ ہندوستان کی جدوجہد آزادی کیلئے ایک طرح کی تمثیل تھا جسطرح فرانس کے جمہوری انقلاب میں "پیرس چلو" اور روس کے بالشویک انقلاب میں "ماسکو چلو" کے نعرے نوجوانوں کو فاتحانہ اقدام کی دعوت دیتے تھے۔ اسیطرح "دہلی چلو" بھی قومی ارادے کی یلغار کے لئے نشان راہ تھا۔ آغا شورش کاشمیری نے اس حربی نعرے کو مستعار لیکر اس دعوت انقلاب کی پوری تاریخ لکھی ہے۔ "دھلی چلو" میں انہوں نے نہ صرف اس کی موضوعی حیثیت ہی کو لیا ہے۔ بلکہ پچھلی گمشدہ کڑیاں بھی نکال لی ہیں اور اس حسن و خوبی سے لکھا ہے۔ کہ ہر حلقہ ایک دوسرے سے پیوست نظر آتا ہے۔

کتاب کے سات باب ہیں۔ پہلے میں سبھاش بابو کے سوانح زندگی ہیں۔ دوسرے میں شاہراہ انقلاب کے عنوان سے ان اندرونی اور بیرونی انقلابی تحریکوں کا ذکر ہے جو ۵۷ء کی جنگ آزادی سے اگست ۱۹۴۲ء کی بغاوت تک رونما ہوتی رہی ہیں۔ اسی باب میں جے پرکاش کے حالات زندگی اور ان کی جدوجہد کا تذکرہ بھی ہے۔ تیسرے باب میں آزاد ہند فوج کے بننے

سے بکھرنے تک کی کہانی ہے۔ چوتھے میں عارضی آزاد ہند حکومت کی بناوٹ کا توضیحی نقشہ ہے۔ پانچویں میں آزاد ہند فوج کے بارے میں ہندوستانی جذبات کی عکاسی ہے۔ چھٹے میں لال قلعے کی روداد ہے ——— "بہادر شاہ ظفر سے لیکر شاہنواز تک" یہ چھٹوں باب' بہ اعتبار معلومات تاریخ کا سرمایہ اور بلحاظ زبان خوش نگاری کا مرقع ہیں۔ ساتویں باب میں آزاد ہند فوج کے سورماؤں کی حلیہ نگاری کی گئی ہے۔ اور حوادث زندگی کے ساتھ ساتھ حسن کے ارغنون پر عشق کا نغمہ چھیڑا گیا ہے۔ زبان کی شیرینی نے چہروں کی دلکشی بڑھا دی ہے۔ فی الحقیقت "دھلی چلو" ایک دلاویز کتاب ہے۔ جو ادب و سیاست کے دونوں دائروں میں مقبول ہوگی۔ سیاسی طلباء اس کی معلومات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور انہیں مزید مطالعہ کے لئے بہت سی پوشیدہ راہیں دستیاب ہوسکتی ہیں۔

پنجاب اسمبلی چیمبر
۱۹ر جولائی ۱۹۴۶ء

ایک عرصہ سے ہندوستان کی انقلابی تاریخ لکھنے کا خیال میرے دماغ میں محفوظ ہے میں نے اسکے لئے یہی نہیں کہ بے شمار کتابوں کی اوراق گردانی کی اور اس کے بہت بڑے ذخیرے کا مطالعہ کیا بلکہ اُن لوگوں کے پاس بھی پہنچا اور ذاتی معلومات حاصل کیں جو اس تاریخ کے بنانے میں سرفہرست ہیں۔ اگر خودستائی پر محمول نہ کیا جائے تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میری متاع بازار کی جنس نہیں ہے میں نے اپنی نوجوان عمر کے بہت سے سال اس ساز وسامان کی خریداری میں صرف کیئے ہیں۔

میں سترہ برس کا تھا کہ میں نے زنداں کی آواز پر لبیک کہا اور آج ۴۸ برس کی عمر میں پیچھے مڑ کر دیکھتا ہوں تو گیارہ سال کے لیل ونہار کا زمانہ ایک "اسارتی زنجیر" نظر آتا ہے۔

اس طویل مدت میں، ذوق جستجو نے مختلف دماغوں کی یادداشتیں کریدیں اور اُنکی لوح حافظہ کے نقوش کاغذوں کی دنیا میں اسیر کر لیئے۔ کتابوں کی چھان بین کی۔ جو ناقص تھا اس پر خط تنسیخ کھینچدیا اور جو درست تھا اُس کو قبول کر لیا۔

۱۹۴۲ء کے اواخر میں رہا ہوا تو "سامان لخت لخت" کو باقاعدہ جمع کرنا چاہا، قلم کی رفتار پر غور کیا تو ایک ہزار صفحوں کے لیئے ایک ماہ کافی تھا ادھر ارادہ باندھا اُدھر صحت کی دیوار ہل گئی حضرت شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کے خلف الرشید مسٹر ریاض احمد سلمہ کی محبت سے ایک ہی دسنت کیلئے علاج مفت کارگر ہو گیا اور چند ہفتوں میں صحت کی رعنائی واپس آگئی میں ابھی علالت کے بستر ہی پہ تھا کہ میرا چھوٹا بھائی اقبال احمد نپ دق کی لپیٹ

میں آگیا اور موت نے دیکھتی آنکھوں ایک نوجوان کی زندگی سلب کرلی، اس صدمہ نے میری روح کو افسردہ کردیا اور میں اسکی یاد کے سوا سب کچھ بھول گیا دماغ و دل کی تختی پر صرف ایک نقش تھا اور وہ ـــــ ؟
مرحوم بھائی کا نالہ جاں کنی !!

بالآخر وقت نے زخم کو بھردیا اور طبیعت کام کی طرف راغب ہوئی چاہا کچھ لکھوں لیکن پھر سیاسی زندگی کے روزانہ مشاغل نے مہلت نہ دی ؎

دن کہیں، صبح کہیں، شام کہیں، رات کہیں

پارسال اپنے ادبی ذوق کی فرمائش پر ایک دور افتادہ گاؤں میں دیہاتی دوشیزاؤں کے گیت چن رہا تھا اور سرائتے آنچلوں کے فسردہ نغمے میرے ایک رومانی ناول کا موضوع بنے ہوئے تھا کہ ملک میں آزاد ہند فوج کا معاملہ چھڑ گیا اور چاروں سمت اس داستان کے اوراق کھل گئے۔

اچانک خیال پیدا ہوا کہ اس داستان کو سمیٹوں تو ایک تاریخ بن سکتی ہے لیکن ناگہاں انتخابات کی جنگ چھڑ گئی اور اسطرح یہ خیال بھی دماغ کے نہاں خانے ہی میں رہا۔

اسی دوران میں اس موضوع پر بہت سی کتابیں بازار اشاعت میں آگئیں لیکن اُن میں اردو کا ذخیرہ بڑی حد تک غیر معیاری اور سقیم تھا زبان غلط، معلومات سطحی، حالات فرضی، مطالب اُدھورے اور اسلوب بیان بیحد معیوب، جس ایک آدھ کتاب کی معلومات مستند تھیں اُس کے

طرزِ بیان کا رنگ و روغن دیدہ زیب نہیں تھا۔

شاید اسی ایک خیال سے ملک عبدالرحمٰن صاحب مالک اردو اکیڈمی نے اپنی مخلصانہ دوستی کے اصرار پر مجھے مجبور کیا کہ میں اس موضوع پر کتاب لکھوں میں نے ایک رسمی سا وعدہ کر لیا لیکن سیاسی مصروفیتوں نے ایک ہفتہ کے لئے بھی دامن نہ چھوڑا اُدھر حالات پھیلتے گئے ادھر تقاضے بڑھتے گئے چار و ناچار سفر ہی میں قلم کو حرکت دی کچھ صفحے دہلی میں لکھے دو باب انبالے میں سپردِ قلم کئے اور نصف سے زائد حصہ چلتی گاڑی میں لکھا

آزاد ہند فوج کے چند بڑے افسروں سے ذاتی تعلقات کا رشتہ قائم ہو چکا تھا، بہت سی معلومات اُن سے حاصل ہو گئیں کچھ کتابیں ریلوے بک سٹالوں سے خریدیں، اور استفادہ کیا اور اسطرح دو تین ہفتوں میں کتاب تیار ہو گئی،

حالات کی اس ناسازگاری کے باوجود واقعات کے اظہار میں نہ افسانوی شوخی مستعار لی، اور نہ غیر ضروری باتوں سے مضمون کو بوجھل بنایا بلکہ مجرد صداقت سے بھی پرہیز کی، اور جو کچھ صحیح تھا وہ اس کتاب میں کہیں بھی عنقا نہیں ہے۔

اس سلسلہ میں مجھے اپنی ایک کوتاہی کا اعتراف ہے چونکہ یہ ایک "سفری کاوش" ہے اور جیساکہ میں نے اوپر عرض کیا ہے آدھا حصہ گاڑی میں لکھا گیا ہے اس لئے راہنماؤں کے بیانوں اور سرکاری اعلانوں کی انگریزی اصل نہ ہونے کے باعث انہیں اردو کتابوں کے تراجم کو ایک دو جگہ "بالادین" میں نقل کر دیا ہے جو میرے مطالعہ سفر کی شریک تھیں میں نے

کئی ایک مقامات پر ترجمے کا معنوی خلا محسوس کیا ہے لیکن بہ امر مجبوری گوارا کر لیا ہے بعض ترجمے میں نے خود کیئے ہیں اور اُن کی زبان آپ بول رہی ہے۔

جن کتابوں سے میں نے استمداد کی ہے اُن کا نام کتاب کے آخر میں درج کر دیا ہے میں ان کے مصنفوں کا بہ دل ممنون ہوں۔

یوسف مہر علی، تلنگ راج چڈہا، نصر اللہ خاں مدیر روزنامہ آزاد لاہور اور صادق کاشمیری اپنی ادبی اور سیاسی معاونت کے لیئے میرے شکریے کے مستحق ہیں۔

شورش کاشمیری

دفتر روزنامہ آزاد لاہور

۲۷ جولائی ۱۹۴۶ء

---

# سبھاش چندر بوس

زندگی کی دوڑ میں ایک خاص عہد کے ممتاز اقدامات ہی پوری زندگی
کو نمایاں کر دیتے ہیں اور پھر زندگی کے وہ صفحے بھی جگمگانے لگتے
ہیں جنہیں وقت کی زود فراموشی طاقِ نسیاں پر رکھ دیتی ہے۔

# ۳

ہندوستان کی سیاسی زندگی اور قومی نقشہ میں بنگال ہر لحاظ سے منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ آزادی کی جنگ میں بہت سے انقلابی دھارے اس صوبہ ہی سے پھوٹے ہیں۔ اور ملکی جدوجہد کی تاریخ کا دیباچہ بھی یہیں تیار ہوا ہے اسکی جغرافیائی گود میں دریائے ہگلی سنگیت بکھیرتے ہوئے بہتا ہے راجہ رام موہن رائے ایسے سماجک مصلح نے یہیں جنم لیا، سرپی سی رائے ایسا بین الاقوامی سائنسدان یہیں پلا ٹیگور نے اسی آب و ہوا میں اپنے رسیلے گیت بُنے۔ بپن چندر پال کی شہرت کا سورج اسی اُفق سے چمکا اربندو گھوش کی زندگی نے اس آب و گل ہی سے جلا پائی دیش بندھو سی آر داس کی حیات مستعار کے غیر فانی نقوش اس فضا ہی میں جاوداں ہوئے جے ایم سین گپتا اس سپہر ہی سے مسکرایا اور سبھاش چندر بوس کی تاریخی شخصیت کو اسی آغوش ہی نے پالا۔

**پیدائش :-** سبھاش بابو کے پتا رائے بہادر جانکی ناتھ بوس سرکاری وکیل کے طور پر ضلع کٹک (صوبہ اڑیسہ) میں اُٹھ آئے تھے اور اپنی قانونی قابلیت اور خاندانی وجاہت کے باعث کافی نامور تھے۔

کوڈالیہ نامی ایک گاؤں میں سبھاش چندر بوس ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے۔ دایہ کے دوش اور ماں کے آغوش کی کہانی بچوں کی مشترک نفسیات سے مختلف نہیں، وہی چند صفحے جن میں بالک پن کی اُچھل کود جھلکا کرتی ہے۔ ابتدائی تعلیم ایک پروٹسٹنٹ یوروپین اسکول میں حاصل کی ریونشا کالجیٹ اسکول سے ۱۹۱۳ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اور عمر کے تیرھویں برس پریذیڈنسی کالج کلکتہ میں داخل ہوگئے سیکنڈ ایر میں تھے کہ طبیعت نے بعض اندرونی محرکات کے مطالبہ پر پلٹا کھایا اور گھریلو دھارمک اثر کے تربیتی فیضان کے تحت اُچاٹ طبیعت نے ۱۹۱۳ء کی ایک صبح کو دفعتہً غائب ہو گئے اور ہمالہ پربت کی وادیوں میں من کی چنتا کا علاج ڈھونڈھنے لگے۔

**ہمالہ کا دامن:-** ان سر بفلک پہاڑوں کے دامنوں میں ایک سچے گرو کی تلاش میں زندگی کی بیشمار راتیں اور بہت سے دن کھوئے لیکن گوہر مقصود کہیں نہ ملا کوہساروں کا شکوہ، گھنے جنگلوں کا خوف، مرغزاروں کا بانکپن، ہواؤں کے میٹھے جھونکے، آبشاروں کا دلآویز بہاؤ، اور صبح و شام کی آنکھ مچولی یہ سب کچھ تھا مگر اُس مقدس راہنما کا سراغ کہیں نہ ملا جسکی جستجو یہاں کھینچ لائی تھی، کچھ دن ان وادیوں میں گنائے تو پھر تیرتھ یاترا کی ٹھانی کہ شاید وہاں کوئی صاحب نظر ملجائے مگر راستے ہی میں بیمار پڑ گئے کسی نہ کسی طرح والدین کو اطلاع ہوگئی وہ آکر آپکو ساتھ لے گئے کچھ دیر زیر علاج رہے اور پھر صحت یاب ہونے پر کالج میں داخل ہو گئے ۱۹۱۵ء میں آپ نے ایف کا امتحان فسٹ ڈویژن میں پاس کرلیا۔

**ابتدائے عشق:-** پروفیسر جارٹن پریذیڈنسی کالج میں حاکمانہ ذہنیت کا برطانوی نژاد پروفیسر تھا یہی نہیں کہ اسے ہندوستانی تاریخ و تمدن

اور معاشرت و ثقافت سے طبعی بہتر تھا بلکہ عموماً ہندوستانی طلبہ کے روبرو ان کی تضحیک بھی کیا کرتا تھا اس کے اس رویے سے تمام ہندوستانی طلبہ نالاں تھے مگر زخمی احساسات کے باوجود مصلحتاً خاموش ہو رہتے سبھاش کیلئے یہ ناقابل برداشت تھا آپ نے طلبہ کی ایک میٹنگ طلب کی اور انہیں ترغیب دے کر ہڑتال پہ آمادہ کرلیا، کالج کمیٹی معاملہ کی نزاکت کو بھانپ گئی اور فوراً سمجھوتہ کرلیا، اس سے حالات کی آئندہ بلا ٹل گئی لیکن پروفیسر بارٹن کی ذہنی گراوٹ اور بے قابو زبان نے رنگ نہ بدلا، لازماً اس ارادی حرکت سے طلبہ دوبارہ مشتعل ہونے لگے، سبھاش بابو نے دیکھا کہ پانی سر سے گذر رہا ہے تو ایکدن سرجماعت اسے پیٹ ڈالا، مسٹر بارٹن تو راہ راست پہ آگیا لیکن آپکو سزا کے طور پہ دو سال کے لئے کالج سے نکال دیا گیا۔

برطانوی سامراج کے خلاف نوجوان سبھاش کا یہ پہلا احتجاج تھا۔

**دوبارہ داخلہ:-** دو سال بعد ۱۹۱۷ء میں کلکتہ یونیورسٹی نے دوبارہ داخل ہونے کی اجازت دیدی، سکاٹش چرچ کالج سے امتیازی طور پہ بی۔اے کا امتحان پاس کیا اور والدین کی خواہش پہ انڈین سول سروس کے امتحان کی خاطر لندن چلے گئے وہاں آٹھ ماہ رہے۔ آئی۔سی۔ایس کے امتحانی مقابلے میں نمایاں کامیابی حاصل کی، اور کیمبرج یونیورسٹی سے فلسفے کے اعلیٰ امتحان میں بھی کامیاب ہو گئے۔

۱۹۲۰ء میں ہندوستان واپس لوٹے تو ملک میں ایک نئی زندگی نے بال و پر پیدا کرلئے تھے آپ چاہتے تو ظاہر ہے کہ آپ کے لئے آئی سی ایس کے اعلیٰ

منصبوں کا ہر دروازہ کھلا تھا لیکن آپ نے حکومت کے ایوانوں میں پہنچنے کی بجائے قومی تحریک کے میدانوں کو پسند کیا اور ایک فیصلہ کن سوچ کے بعد یہ طے کر لیا کہ ملک کو انکی ضرورت ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جنگ عظیم ۱۹۱۴-۱۸ء اپنے خوفناک اثرات چھوڑ کر ختم ہو چکی تھی اور ہندوستان سے آزادی کے نام پر جو وعدے کیے گئے تھے۔ انہیں بھی فراموش کر دیا گیا تھا ان ٹوٹتے وعدوں نے رائے عامہ میں ایک ہیجان پیدا کر دیا، حکومت نے رولٹ ایکٹ کا نفاذ کیا اس سے ملکی آب و ہوا میں ایک زبردست ہلچل پیدا ہو گئی۔

انڈین نیشنل کانگرس جواب تک اعتدال پسندوں اور رجعت پسندوں کی بزم آرائی کا مرسح (اسٹیج) تھا اسمیں بھی ایک نئی زندگی ابھری گاندھی جی جو جنوبی افریقہ سے اہنسا اور ستیہ گرہ کا اچھوتا اور آزمودہ ہتھیار لائے تھے ملک کے سرتاج بن گئے کانگرس نے ناگپور کے اجلاس (۱۹۲۰ء) میں حکومت سے عدم تعاون کی قرارداد پاس کر دی۔

**سیاسیات میں داخلہ:-** جلیانوالہ باغ کا حادثہ (۱۹۱۹ء) اس قدر المناک تھا کہ ملکی تحریک نے نئی انقلابی انگڑائی لی اور عوام برطانوی راج سے علانیہ باغی ہو گئے گاندھی جی کی راہنمائی میں عدم تعاون اور سول نافرمانی کی تحریک شروع ہو گئی سرکاری اعزاز ترک کیے جانے لگے وکلاء عدالتوں کو چھوڑ گئے طلبہ نے سرکاری درسگاہوں سے انقطاع تعلیم کر لیا، طول و عرض ملک میں سول نافرمانی کا جذبہ جنگل کی آگ کیطرح پھیل گیا۔

ان دنوں بنگال میں مسٹر سی آر داس کا نام اپنی ہمہ گیر قابلیت کے باعث گونج رہا تھا سبھاش نے اپنی خدمات ان کے حوالے کر دیں اور ملکی جدوجہد میں شامل ہو گئے مسٹر داس نے آپکو پہلے بنگال نیشنل کالج کا پرنسپل اور پھر نیشنل والنٹیرز کور کا جی او سی بنا دیا۔

حکومت بنگال پرنس آف ویلز کی آمد پر متوقع مظاہرات کے خدشے سے سخت مضطرب ہو رہی تھی ادھر ۲۵ر دسمبر کو اسے پہنچنا تھا اُدھر کلکتہ میں کاروباری ہڑتال کا فیصلہ ہو چکا تھا اور چاروں طرف سیاہ جھنڈیوں سے استقبال کی تیاریاں کی جارہی تھیں حکومت نے جیسا کہ اُسکی عادت ہے اپنے تئیں اس مظاہرے کو ہلکا کرنے کے لئے سربرآوردہ راہنماؤں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا مسٹر داس اور مولانا ابو الکلام آزاد کی گرفتاری کے بعد سبھاش بابو بھی پکڑے لئے گئے اور سرسری سماعت کے بعد چھ ماہ قید محض کی سزا ہوئی۔

قید بھگت کر رہا ہوئے تو شمالی بنگال میں طغیانی نے ایک ہولناک تباہی مچا رکھی تھی آپ نے ریلیف کمیٹی کی داغ بیل ڈالی اور سکرٹری کی حیثیت میں ہزاروں بے خانماں لوگوں کے لئے امداد فراہم کی۔

**سوراج پارٹی:-** گاندھی جی نے چورا چوری کے واقعہ کی آڑ لیکر جنوری ۱۹۲۲ء میں تحریک کو بند کر دیا اور گرفتار ہو گئے ۱۹۲۳ء میں رہا ہوئے تو کانگرس میں دو فریق پیدا ہو گئے تھے ایک فریق کونسلوں میں جانے کا حامی تھا اور دوسرا اسکے خلاف پہلے طبقے کے راہنما پنڈت موتی لال نہرو اور مسٹر سی آر۔ داس تھے۔ اور دوسرے طبقے کی راہنمائی گاندھی جی کر رہے

تھے۔

۱۹۲۳ء میں انڈین نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس گیا میں منعقد ہوا سبھاش چندر بوس، مسٹر داس کے قابل لفٹیننٹ کی حیثیت میں شریک اجلاس ہوئے اس اجلاس میں گاندھی جی کی رائے کو جیت ہوئی اور کونسلوں میں داخلے کی تجویز نامنظور ہو گئی "انتخابی شیدائیوں" نے اپنے مقصد کے لئے سوراج پارٹی کی بنیاد رکھی، بنگال میں جماعتی نشر و اشاعت کے لئے فارورڈ اخبار نکالا گیا سبھاش چندر بوس اس کے چیف ایڈیٹر بنائے گئے۔

**یوتھ لیگ** ملک کا نوجوان طبقہ تحریک کے ناگہاں بند ہونے کی وجہ سے غیر مطمئن تھا، اور وہ دستوری محاذ کو ایک طرح کی دفع الوقتی سمجھتا تھا، خیالات کی نئی انقلابی لہریں نوجوان دماغوں میں سرعت سے اثر کرنے لگیں، سبھاش وقتی تقاضوں سے بخوبی واقف تھا، یوتھ لیگ کے نام سے ایک نئی جماعت کی نیو اٹھائی اور ریڈیکل نصب العین کو مطمح نظر قرار دیا، حکومت آپ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے پہلے ہی ہراساں ہو رہی تھی اور بعض مقتدر کانگرسی لیڈر بھی آپ سے اختلاف رائے ظاہر کر رہے تھے، لیکن آپ ان سب سے بے پروا، مزدوروں اور کسانوں میں اپنے انقلابی خیالات کی فصل کاشت کرتے رہے۔

**کنج قفس:** اپریل ۱۹۲۴ء میں آپ کو کلکتہ کارپوریشن کا چیف ایگزیکٹو افسر بنایا گیا آپ نے بہت سی اصلاحات رائج کیں۔ لیکن آپ کے دماغ کی انقلابی اڑانوں نے زیادہ دیر تک یہاں ٹھہرنا قبول نہ کیا،

اور جلد ہی استعفیٰ دے دیا۔

ادھر بنگال میں حکومت نے عوامی رجحانات کی انقلابی عمارت پر لہ بول دیا۔ اسے تقسیم بنگالہ کے زمانے سے اندازہ تھا کہ ایسے حالات میں نوجوانوں کا ذہنی جھکاؤ کس طرف ہوتا ہے چنانچہ بنگال آرڈی نینس کا نفاذ کیا گیا اس آرڈی نینس کی رو سے کسی شخص کو بھی مقدمہ چلائے بغیر بلا معیار قید رکھا جا سکتا تھا، سبھاش بابو اور آپکے بعض ساتھی اسکا پہلا شکار ہوئے ۲۵ر اکتوبر ۱۹۲۴ء کو گرفتاری عمل میں آئی کچھ دن علی پور سنٹرل جیل میں رہے اور پھر علی پور جیل میں منتقل کر دیا گیا،

حکومت کو شبہ تھا کہ سبھاش اپنے صوبے کی زندانی چار دیواری سے بھی انارکسٹ ذہن کی راہنمائی کر رہا ہے، چنانچہ آپ کو مانڈلے کی تاریخی جیل میں بھیجدیا گیا، وہاں کی ناموافق آب وہوا، سنگین دیواروں اور قید تنہائی نے آپکی صحت پہ بہت برا اثر ڈالا، وزن ٹوٹ گیا، پھیپھڑوں میں خرابی پیدا ہو گئی اور چمڑہ ہڈی سے آلگا، اس تشویش ناک علالت نے بنگال میں ایک ہلچل پیدا کر دی، اور جا بجا رہائی کا مطالبہ ہونے لگا۔ حکومت نے ابتدا میں تو اپنی روایات کے مطابق چپ سادھے رکھی لیکن جب قانون کے در و دیوار ہلنے لگے تو اپنے میڈیکل آفیسر کو معائنہ کے لئے بھیجا۔

اُس نے خطرناک صورت حال سے حکومت کو مطلع کر دیا اس پر بنگال گورنمنٹ نے مشروط پیشکش کی کہ بحالی صحت کے لئے مانڈلے سے سیدھے یورپ چلے جائیں تو حکومت رہائی کے لئے آمادہ ہے البتہ آپ کو ہندوستان کی کسی بندرگاہ

پر ٹھہرنے، رکنے، اور ملنے کی اجازت نہ ہوگی، آپ نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا۔
بالآخر حکومت جھکی اور ایک طبی بورڈ کی رپورٹ پر جس میں گورنر بنگال کا ذاتی فزیشن بھی تھا ۱۹۲۷ء کی ایک شام کو غیر مشروط طور پر رہا کر دیا گیا۔

**کلکتہ کانگریس:۔** ایک عرصہ تک علاج معالجہ ہوتا رہا افاقہ ہوا تو پھر سیاسی زندگی کے دھاروں میں بہنے لگے ۱۹۲۸ء میں کانگریس کا سالانہ اجلاس پنڈت موتی لال نہرو کی زیر صدارت کلکتہ میں منعقد ہوا آپکو رضا کاروں کے عسکری نظام کا جنرل آفیسر کمانڈنگ بنایا گیا،

اس تاریخی اجلاس میں ہندوستان کا دستوری مسئلہ زیر بحث تھا، گاندھی جی نے موتی لال نہرو کی تیار کردہ دستوری دستاویز "نہرو رپورٹ" کے بارے میں ایک تجویز پیش کی، کہ حکومت ۳۱ر دسمبر ۱۹۲۹ء تک اس کو منظور کر لے تو بہتر ورنہ ملک سول نافرمانی کی راہ پر چلنے کو مجبور ہوگا۔ اس رپورٹ میں ہندوستان کا مطمع نظر درجہ نو آبادیات قرار دیا گیا تھا، سبھاش نے اسکی جگہ کامل "آزادی" رکھنا چاہا، اور ترمیم پیش کی، جواہر لال نے ترمیم کی تائید کی، مگر گاندھی جی کی تجویز آرا کی کثرت سے پاس ہوگئی،

سبھاش کی ذہنی قابلیت اور سیاسی فہم نے گاندھی جی کو بیحد متاثر کیا، اور انہوں نے آپکو ورکنگ کمیٹی میں لے لیا،

**تقابل:۔** یہیں سے سبھاش چندر بوس اور جواہر لال نہرو کی ہندوستاں گیر شہرت کا آغاز ہوتا ہے۔ جواہر لال ۱۹۲۹ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے صدر بن گئے اور جلد ہی اُن کا آفتاب شہرت نصف النہار پر آگیا،

جواہر کی ترقی ہیں گو انکے شخصی جوہر کا بھی حصہ ہے لیکن یہ بھی ایک بدیہی حقیقت ہے کہ جواہر کی درخشانی ہیں موتی کا بڑا حصہ اور گاندھی کی سرپرستانہ ہمنوائی کو بھی دخل ہے سبھاش نے جو کچھ فراہم کیا محض اپنے ذاتی اوصاف سے اور یہی وجہ ہے کہ انکی تنظیمی قابلیت شروع ہی سے ایک پوری جماعت کی مد مقابل سمجھی گئی ہے۔

**انقلابی جوش:-** کلکتہ کانگرس کے بعد ملک کا انقلابی جوش اور بھی اُبھر آیا۔ سامراج دشمنی عوامی شریانوں میں خون کے ساتھ گردش کرنے لگی۔ مزاجی خیالات سے نوجوانوں کے دماغ اُبلنے لگے۔ اور ملک کے طول وعرض میں دہشت زدگی کے واقعات امربیل کی طرح پھیل گئے۔ ۲۰ مارچ ۱۹۲۹ء کو پولیس نے ہندوستان کے بہت سے مرکزی شہروں کی تلاشی لی، اور انقلابی فکر کے نوجوانوں کو گرفتار کر لیا، انکے خلاف الزام لگایا گیا، یہ لوگ حکومت کا تختہ اُلٹنے اور ہندوستان میں روسی نہج کا نظام قائم کرنا چاہتے تھے میرٹھ میں مقدمہ چلا، اس مقدمہ نے ملک کے طول وعرض انقلابی ہیجان پیدا کر دیا۔

**سردار بھگت سنگھ:-** دوسری دفعہ سائمن کمیشن ہندوستان آیا تو لاہور بھی پہنچا، لالہ لاجپت رائے آنجہانی کی راہنمائی میں مقاطعہ کا ایک جلوس نکالا گیا، پولیس نے اس جلوس پہ لاٹھیاں برسائیں اور نتیجۃً لالہ جی زخمی ہو گئے لالہ جی اس صدمے کی تاب نہ لا کر کچھ دنوں بعد رحلت کر گئے نوجوانوں نے اس مرثیو کو قومی غیرت کا معاملہ بنا لیا، اور بدلے میں مسٹر

ساانڈرس اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس لاہور کو قتل کر دیا گیا، ملزم وقوعہ کرکے روپوش ہو گئے کچھ دنوں بعد مرکزی اسمبلی میں سردار بھگت سنگھ اور بستر بی کے دت نے احتجاجی بم پھینکا دونوں وہیں گرفتار کر لیئے گئے اور عمر قید کی سزا ہوئی، پولیس نے اس مقدمہ کا فیصلہ ہوتے ہی انہیں ساانڈرس کے قتل میں بھی ماخوذ کر لیا۔ اور بہت سے دیگر نوجوانوں کو گرفتار کر کے "مقدمہ سازش لاہور" چلایا اس مقدمہ نے ملک کے مزاجی ذہن کو بہت ہوا دی اور جابجا دہشت انگیزی کے واقعات ظہور پذیر ہونے لگے بھگت سنگھ کا نام نوجوانوں کے لئے دلیل راہ بن گیا۔

گاندھی جی اس قسم کے واقعات کو اپنے بنیادی عقیدے کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور بارہا اپنے طور پر ان کی مذمت بھی کر چکے تھے گاندھی جی کی اس "لاتعلقی" سے حکومت کے ہاتھ اور بھی مضبوط ہو گئے اور اس نے اپنے پورے دباؤ سے اس تحریک کے برگ و بار اُجاڑ دینے کا تہیہ کر لیا۔

سبھاش بابو کیلئے "نوجوان کشتی" کا یہ دلگداز منظر ناگوار تھا، آپ نے نوجوانوں کی حمایت کا بیڑہ اُٹھایا اور حکومت کے جارحانہ اقدامات پر شدید نکتہ چینی کی، بنگال پولیٹیکل کانفرنس منعقدہ رنگ پور میں آپ نے حکومت کو اسکی غلط روی پر تنبیہہ کرتے ہوئے کہا کہ اس مستبدانہ حکمت عملی سے ملک کا شعلہ حریت کبھی ٹھنڈا نہیں پڑ سکتا ہے۔

ان دنوں آپ بنگال لیجسلیٹو کونسل کے ممبر اور صوبائی کانگرس کمیٹی کے صدر بھی تھے۔

**جتندر ناتھ داس کا سانحہ:-** جیلخانوں میں قیدیوں سے جو ناروا سلوک ہوتا ہے اسکے خلاف سردار بھگت سنگھ اور انکے ساتھیوں نے یکم جولائی ۱۹۲۹ء کو لاہور سنٹرل جیل میں بھوک ہڑتال شروع کر دی، اس بھوک ہڑتال نے ہندوستان کے ہر کونے میں ہیجان پیدا کر دیا، ۱۳ ستمبر ۱۹۲۹ء کو ایک بنگالی نوجوان مسٹر جتندر ناتھ داس تریسٹھ دنکی بھوک ہڑتال کے بعد لقمہ اجل ہو گیا اس موت نے ہندوستان کو جھنجلا دیا جگہ بہ جگہ ماتمی مظاہرے کیے گئے جب مسٹر داس کی لاش کلکتہ پہنچی تو پچاس ہزار انسانوں کا ہجوم پلیٹ فارم پر موجود تھا۔ شہر میں تاریخی جلوس نکالا گیا سبھاش بابو نے اسی روز ایک جلسہ عام میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"اس مقدس شریر سے ہم آزادی کے لئے مرنا سیکھ سکتے ہیں۔ اسکی خاموش گویائی کہہ رہی ہے کہ آزادی کی منزل قریب آ گئی ہے اور چتا کے شعلے پکار رہے ہیں کہ سامراج دہکتے ہوئے انقلاب کی آگ سے محفوظ نہیں رہ سکتا ہے حکومت نے دسمبر کے آخیر تک کلکتہ کانگریس کے فیصلوں کو نہ مانا تو پھر آزادی کی جنگ ناگزیر ہو گی۔

حکومت کا مزاج پہلے ہی بگڑ رہا تھا، اس روز کی تقریر سے اسکی ناراضی اور بھی بڑھ گئی کلکتہ کی عدالت میں پہلے ہی ایک مقدمہ بغاوت کے جرم میں چل رہا تھا، سرکار نے مضطرب ہو کر قید کرنے کی ٹھان لی۔

**پنجاب میں آمد:-** پنجاب کے نوجوان ایک مدت سے آپ کو بلا رہے تھے۔ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۹ء کو آپ پہلی بار لاہور پہنچے

ہزارہا انسانوں نے آنکھیں بچھا دیں، بریڈ لا ہال لاہور میں آپ نے صوبائی طلبہ کانفرنس کی صدارت فرمائی، صدارتی خطبہ میں نوجوانوں کے انقلابی اقدام کو سراہا اور حکومت کو اسکی جابرانہ حکمت عملی پہ چیلنج کرتے ہوئے اہل وطن کو آئندہ جنگ آزادی کے لئے تیار رہنے کی اپیل کی انہی خیالات کو امرتسر میں بھی دہرایا حکومت ہند کو آپ کا یہ لب و لہجہ ناگوار گذرا، کلکتہ میں مقدمہ چل ہی رہا تھا، آپ سفری روک کی وجہ سے تاریخ حاضری پہ نہ پہنچ سکے، مجسٹریٹ نے وارنٹ جاری کر دئے، کلکتہ میں اس خبر سے ایک غوغا مچ گیا، واپس پہنچے تو اسٹیشن پر کلکتہ امنڈا پڑا تھا، پولیس کو اتنے بڑے ہجوم میں گرفتاری کا حوصلہ نہ ہوا آپ خود ہی ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے بنگلے پہ چلے گئے، مجسٹریٹ نے آپ کو دو ہزار کی حاضر ضمانت پر چھوڑ دیا۔

**دماغی بناوٹ:۔** سبھاش کی دماغی بناوٹ ہی کچھ اس ڈھب سے ہوئی تھی کہ وہ ہر معرکہ میں ایک فیصلہ کن اقدام کے متمنی تھے ان کا ذہن انتہا پسندی کے سانچے میں ڈھلا ہوا تھا وہ درمیانی راہ کی صلح جوئیوں کے مطلق قائل نہ تھے انہیں ہر موڑ پہ مفاہمت کی پالیسی سے اختلاف رہا گاندھی جی نے گو انہیں کلکتہ کانگریس کے موقعہ پہ ورکنگ کمیٹی میں لے کر شکار کرنا چاہا لیکن انکے خیالات کا زاویہ نہ بدلا۔

۳۱ر اکتوبر ۱۹۲۹ء کو لارڈ ارون نے برطانوی کیبنٹ کے مشورے سے ایک بیان دیا جس میں برطانوی حکومت کے ارادوں پر اپنے مخصوص سیاسی الفاظ میں روشنی ڈالی اور درجہ نوآبادیات کے فوری مطالبے کے جواب میں بتدریج

درجہ نوآبادیات دینے کے وعدہ کا اعادہ کیا اسی بیان میں ایک گول میز کانفرنس کے انعقاد کا بھی اعلان کیا گیا۔

اس اعلان سے ہندوستانی سیاستدانوں میں مایوسی پیدا ہوگی۔ پنڈت موتی لال نہرو نے اس اعلان پر غور کرنیکے لئے دہلی میں ایک مجلس مشاورت بلائی۔ اس مشاورت کے اختتام پر گاندھی جی، پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت موتی لال نہرو، سردار ولبھ بھائی پٹیل، مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ کے دستخطوں سے ایک مشترکہ جوابی بیان جاری کیا گیا جسمیں حکومت سے تبدیلی قلب کا ثبوت مانگا گیا۔ سیاسی قیدیوں کے لئے عفو عام کا مطالبہ کیا گیا اور مجوزہ گول میز کانفرنس میں کانگرس کے لئے باقاعدہ نمائندگی طلب کی گئی۔

سبھاش نے اس مشترکہ بیان پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا اور بیان کے بین السطور کی مفاہمانہ سپرٹ کا تجزیہ کرتے ہوئے وائسرائے کی پیشکش کو ناقابل قبول اور گول میز کانفرنس کو برطانوی سامراج کی شعبدہ بازی قرار دیا اس بیان کے ساتھ ہی سبھاش بابو ورکنگ کمیٹی کی رکنیت سے بھی مستعفی ہو گئے گاندھی جی نے استعفیٰ کی واپسی کیلئے بہت کوشش کی لیکن آپ رضامند نہ ہوئے اور نوجوانوں کی الگ ذہنی تنظیم میں لگ گئے

لندن کے مختلف الخیال اخباروں میں اس اختلاف کا بیحد چرچا ہوا سبھاش کو نوجوان پود کا راہنما اور گاندھی جی کا حریف بتایا گیا اور یہ خطرہ بھی ظاہر کیا گیا کہ ممکن ہے یہ نوجوان آئندہ کانگرس کو دو حصوں میں تقسیم کر دے ——

مفاہمتی انقلابی حصہ اور غیر مفاہمتی انقلابی حصہ ——————— !!"

اپنی ہیجونی کے باعث سبھاش نوجوان صفوں ہیں کچھ اس تیزی سے بڑھا کہ جواہر پیچھے رہ گیا، اگرچہ گاندھی جی نے لاہور کانگریس کا صدارتی تاج جواہر لال کو پہنا کر اس کمی کو پورا کر دیا لیکن سبھاش کی مقبولیت بھی ہلکی نہ پڑ سکی۔

اسی دوران میں ۲۳ دسمبر ۱۹۲۹ء کو دہلی کے نزدیک لارڈ اردن کی سپیشل ٹرین پر بم پھینکا گیا اور وائسرے بال بال بچ گئے۔

**لاہور کانگریس:۔** گاندھی جی نے ۲۵ دسمبر کو لاہور کانگریس کے پہلے ہی دن بم پھینکنے والوں کی مذمت کی اور کہا جو لوگ بم پھینکتے ہیں وہ بزدل ہیں پھر کھلے اجلاس میں وائسرے کی سلامتی پر پیار کیا کا ریزولیشن پیش کیا سبھاش بابو کی راہنمائی میں نوجوان طبقے نے اس قرارداد کی مخالفت کی لیکن گاندھی جی کے شخصی اثر سے تجویز منظور ہو گئی اس تاریخی اجلاس میں نہرو رپورٹ کی منسوخی، مجالس مقننہ کا مقاطعہ، اور کامل آزادی کے مطالبے کا علم بلند کیا گیا اور آل انڈیا کانگریس کمیٹی کو سول نافرمانی کے اختیارات سونپے گئے ان فیصلوں سے ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں مہتم بالشان اقدامات کا اضافہ ہوا۔

سبھاش نے کامل آزادی کی تجویز میں متوازی گورنمنٹ قائم کرنے کی ترمیم پیش کی، اور اپنی ترمیم کی تشریحات پر ایک جامع اور پرجوش تقریر فرمائی، مگر آپکی ترمیم منظور نہ ہو سکی۔

آئندہ سال کی ورکنگ کمیٹی کے ممبروں کے ناموں کا اعلان ہوا تو ان میں سبھاش بابو کا نام ہی غائب تھا نوجوانوں نے اعتراضات کی بھرمار کر دی، مسٹر ستیہ مورتی نے آپ کا نام شامل کیے جانے کی باقاعدہ تحریک کی، گاندھی جی نہ مانے پنڈت جواہرلال نہرو نے کرسی صدارت سے فرمایا کہ اُن اشخاص ہی کو جماعت عاملہ میں شامل کرنا مناسب ہے جو پروگرام سے متفق ہیں، سبھاش بابو اور ورکنگ کمیٹی میں اختلاف موجود ہے ایسی حالت میں انہیں ممبر چننا جماعت عاملہ اور شری سبھاش بابو دونوں کے ساتھ ناانصافی ہے۔

سبھاش اور انکے ہمراہی تاڑ گئے کہ معاملہ کی تہہ میں کیا ہے اور اس عزت کا مستحق صرف وہی ہو سکتا ہے جو گاندھی جی کی چشم التفات میں جگہ پائے آپ اپنے ہمراہیوں سمیت احتجاج کے طور پر اجلاس سے اٹھ آئے، اور گاندھی جی کی فہرست بلا روک پاس ہو گئی۔

۲۰ جنوری کو لاہور اور ۲۷ جنوری کو کلکتہ میں آپ نے کانگرس کی لیڈرشپ سے اپنے اختلاف کا ذکر کیا اور آزادی کی جنگ میں اپنی وفاداری کا یقین دلایا، آپ نے نوجوانوں کو للکارا کہ آزادی کا وہ جھنڈا جو راوی کے کنارے بلند ہوا ہے ہم اسکی آڑ ان پر مصالحت کا کوئی سایہ برداشت نہیں کر سکتے۔ ہمارا مقصد صرف ایک ہے۔ آزادی یا موت!!

**دوبارہ سزایابی:** لاہور کانگرس میں ۲۶ جنوری کا دن ہر سال کیلئے "یوم آزادی" قرار پایا تھا اس کے منانے کی تیاریاں نہایت جوش و خروش سے ہو رہی تھیں کہ حکومت نے ۲۳ جنوری کو آپکے

خلاف مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا' اور ایک برس قید کی سزا دی عدالت عالیہ میں ضمانت کی درخواست گزاری گئی سرکاری وکیل نے ۲۶ جنوری کے مظاہروں کے خدشات کی بنا پر مخالفت کی اور درخواست مسترد ہو گئی البتہ مرافعہ پر سزا گھٹ کر نو ماہ رہ گئی۔

لندن کے رجعتی حلقوں نے آپکی سزایابی پر اطمینان کی سانس لی اور حکومت ہند پر اعتراض کیا کہ ابھی تک گاندھی جی اور دوسرے زعماء کیوں آزاد ہیں جس جیل میں آپکو رکھا گیا وہاں مچھوا بازار بم کیس کے زیر سماعت قیدی بھی تھے انکے ساتھ جیل کے حکام نے بدسلوکی کی آپ نے اس کے خلاف پروٹسٹ کیا تو آپ بھی اس بدسلوکی کا شکار ہو گئے آپ نے اس توہین آمیز سلوک کے خلاف بھوک ہڑتال کر دی پہلے تو حکومت نے معاملہ کو چھپایا لیکن جونہی خبر ہوا کے دوش پر پھیلی تو حکام کو بھی جنبش ہوئی اور معذرت چاہی چنانچہ اعلیٰ افسروں کی استدعا پر آپ نے بھوک ہڑتال ترک کر دی۔

ادھر کلکتہ کارپوریشن کے ممبروں نے آپکو میئر چن لیا گاندھی جی کی سول نافرمانی نے ملک بھر میں طوفان اٹھا رکھا تھا اور جگہ بجگہ نمکین ستیہ گرہ کے علاوہ حکومت کے کاموں میں طے شدہ رخنہ اندازی کے مظاہرے ہو رہے تھے۔

۲۳ دسمبر کو آپ کی میعاد قید پوری ہو گئی اور رہا کر دیے گئے۔ آپ نے کارپوریشن کے اجلاس میں بطور میئر شرکت کی اور خیر مقدم کے جواب میں کہا ہندوستان کی آزادی ہی میں دنیا کا امن مضمر ہے' میں نے اس کے

حصول کیلیئے وہی طریق کار اختیار کیا ہے جو شری دیش بندھو داس آنجہانی بتا گئے تھے۔

ملک میں سول نافرمانی کی ہنگامہ آرائی نے حکومتی نظام میں اختلال و برہمی پیدا کردی نوجوانوں کی دہشت پسندی کا الاؤ بھی دہکنے لگا، اور انفرادی قتل وغارت کی کہانیاں روزمرہ کی چیز بن گئیں پُرامن تحریک سے زیادہ حکومت کو ان کھلے خطروں کا احساس تھا۔

سر سپرو اور جیکار نے درمیان داری کا کام کیا اور آخر کار ایک میثاق ہو گیا، کانگرس کے پرامن قیدی رہا ہونے لگے لیکن انقلابی نوجوانوں کا کوئی پرسان حال نہ رہا سبھاش نے ایک بروقت بیان دیکر انکی رہائی کا مطالبہ کیا لیکن حکومت نے سنی اَن سنی ایک کردی گاندھی جی اپنے اخبار ینگ انڈیا میں پہلے ہی لکھ چکے تھے کہ سردار بھگت سنگھ کی پرستش نے ملک کو بیحد نقصان پہنچایا ہے اس پوجا کے دائرے میں غنڈاپن اور بداخلاقی پھیل رہی ہے اور سردار بھگت سنگھ کے قتل و فعل اور خیال کی حوصلہ افزائی سے کانگرس کے وقار اور اس کی عوامی عقیدت کے ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

**کراچی کانگرس:-** کراچی کانگرس کے موقعہ پر نوجوانوں نے اپنے انتہائی غیظ کا مظاہرہ کیا گاندھی جی کو سیاہ پھول پیش کیے اور مطالبہ کیا کہ بھگت سنگھ کا قاتل کہاں ہے؟

گاندھی جی اور انکے پیرووں نے ہر چند معاملہ کو سلجھانے کی کوشش کی اور چاہا کہ نوجوان اپنے پیش کردہ پھول واپس لے لیں لیکن بے قابو جذبات کو

قابو میں لانا آسان نہ تھا نوجوان بھارت سبھا کا اجلاس بھی ساتھ ہی ہو رہا تھا۔ سبھاش بابو نے اپنے صدارتی خطبہ میں کانگریس کو آڑے ہاتھوں لیا اور اس کے مقصد اور روش کو مبہم بتایا آپ نے فرمایا کہ میں ہندوستان میں سوشلسٹ ری پبلک کے قیام کا خواہاں ہوں اور موجودہ حکومت کے لئے یہی لازم ہے کہ وہ اپنے سے بہتر کے لئے جگہ خالی کر دے آپ نے گاندھی ارون پیکٹ کو نہایت مایوس کن اور غیر تسلی بخش قرار دیا اور نوجوانوں کو مضبوط قدم اُٹھانے کی تلقین کی۔

گاندھی جی ہوا کا رخ پہچان رہے تھے انہوں نے نئی ورکنگ کمیٹی میں آپ کا نام بھی لے لیا لیکن آپکے (سبھاش) اخلاقی ذہن پر قابو پانے کے لئے ایسے پھندے بے کار تھے چنانچہ ۲۹ اگست کو جب گاندھی جی گول میز کانفرنس (لندن) میں شریک ہونے کیلئے ........ جا رہے تھے تو جماعت عاملہ کے علاوہ ہندوستان کے بہت سے ممتاز راہنما انہیں الوداع کہنے کیلئے ساحل بمبئی پر موجود تھے مگر سبھاش بابو نہ آئے اور کلکتہ ہی سے اس مطلب کا تار بھیجا کہ آپ گول میز کانفرنس میں مکمل آزادی کا مطالبہ پیش کریں ہندوستانی اپنے اس حق سے کم تر کسی شے کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں ہیں۔

**میثاق کی خلاف ورزی:۔** گاندھی ارون میثاق کو رہنما کی تھکی ہاری فوج نے گو اپنی فتح پر محمول کیا لیکن حکومت کا اونچا طبقہ اسے دفع الوقتی ہی سمجھتا رہا اور جیسا کہ بعد کے واقعات سے ثابت بھی ہو گیا۔ حکومت کو اس میثاق سے دو طرح فائدہ پہنچا۔

(۱) قانون شکنی کی ایک وسیع مرکزی تحریک ختم ہو گئی اور رائے عامہ کا

اجتماعی ذہن پلٹ کر دستوری گفتگو کے محاذ پر منتقل ہو گیا۔

(۲) انفرادی دہشت پسندی بے سہارا رہ گئی اور حکومت کی مجموعی طاقت اس پر ٹوٹ پڑی۔

بنگال میں تو حشر کے آثار پیدا ہو گئے حکومت کی قہرمانی طوفان بن کر اٹھی اور بجلی بن کر کوندی بے شمار نوجوان مقدمہ چلائے بغیر نظر بند کئے گئے گرفتاریوں کی ایک یلغار اُمنڈ پڑی، ہجلی کیمپ جو سیاسی نظر بندوں کیلئے مخصوص تھا۔ حکومت کے منتقمانہ جذبات کی جولاں گاہ بن گیا، ایک دن پہریداروں نے نظر بندوں پر گولی چلا دی نتیجۃً دو ہلاک اور بہت سے زخمی ہو گئے۔

بنگال کی آب و ہوا کا مزاج تشدد سے کھول رہا تھا۔ اور چاروں طرف حکومتی قہر کے بادل گرج اور برس رہے تھے اس حادثہ اور چٹا گانگ کے سانحہ نے مل جل کر صوبہ بھر میں ایک زبردست ایجی ٹیشن کا روپ پیدا کر لیا سبھاش بابو خِلقی طور پر نچلے بیٹھنے والے نہ تھے آپ نے اس تحریک کی عنان سنبھال لی۔

سردار پٹیل نے آپکو ایک خط لکھا جسمیں تحریک کو خلاف مصلحت بتایا اور ورکنگ کمیٹی کے اجلاس میں شمول کے لئے بلا بھیجا، آپ نے ان نازک حالات میں بنگال سے غیر حاضر ہونا مناسب نہ سمجھا اور اجلاس میں شرکت سے انکار کر دیا۔

یہ زمانہ مزاج کے عروج کا زمانہ تھا یوں محسوس ہوتا تھا کہ تحریک نہیں بلکہ بنگال کے موسم کا وافر میوہ ہے، ذرے ذرے تک سے انقلابی تمرد اُبل رہا تھا،

حکومت اور نوجوان ایکطرح کی معرکہ آرائی میں مشغول تھے۔ ایک واقعہ رونما ہوتے ہی حکومت پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی اور پھر ایسے مضحکہ خیز اقدامات کرتی کہ قانون وعدالت بازیچۂ اطفال بن جاتے۔

دارالعوام تک سرکاری مشینری کو پختہ یقین ہوچکا تھا کہ سبھاش بابو اس تحریک کی پشت پناہی کر رہے ہیں مگر حکومت بلا ثبوت آپ پہ ہاتھ ڈالتے ہوئے بھی کتراتی تھی اِدھر آپ تھے کہ ہر سرکاری بیدردی کیخلاف صف آرا ہوجاتے حکومت نے بعض شہروں میں داخلے سے بھی روکا، لیکن آپ کہاں رکتے، تہدید کو ٹھکراتے اور ہر اس سے اُلجھتے۔

جب پانی سر سے گذر گیا اور کانگرس کی اجارہ دار لیڈرشپ کا احساس نہ ہلا تو آپ نے ایک بیان میں کہا کہ اس قسم کے واقعات اگر بار دولی میں پیش آتے تو ایک کل ہند تحریک کا آغاز ہوچکا ہوتا لیکن صوبہ بنگال کو کانگرس لیڈرشپ اپنی مصالحانہ مصلحت کوشی پر قربان کر رہی ہے،

انہی دنوں والسرائے نے، چٹاگانگ کے لئے ایک سپیشل آرڈیننس جاری کر دیا جسکی رو سے وہاں سپیشل فوج اور پولیس تعینات کر دی اور نوجوانوں کیلئے راتوں کو گھر سے نکلنا ممنوع کر دیا۔ سر چارلس ٹیگارٹ سابق پولیس کمشنر کو خاص طور پہ اس تحریک کے انسداد کے لئے لندن سے بلایا گیا، ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مارشل لا ہی کا ایک دوسرا رخ تھا۔

سر جان اینڈرسن نئے گورنر نے آتے ہی اپنے اختیارات کا پورا مگیزین استعمال کرنا شروع کر دیا اور خوفناک تہدیدی تقریر کی، سبھاش بابو نے

اس کے جواب میں جس دلیری کا ثبوت دیا اس سے آپکی عظمت کو چار چاند لگ گئے آپ نے فرمایا جس طرح سر جان کے تقرر کے بعد آئرلینڈ فری سٹیٹ بن گیا تھا اسی طرح بنگال انکے "قدم رنجہ" فرمانے سے آزاد بنگال بن جائے گا۔

یہ الفاظ معمولی نہ تھے اور نہ انکے کہنے والا ہی کوئی معمولی شخص تھا، لندن کے سرکاری حلقوں میں اس سے تشویش پیدا ہو گئی اور سر سموئل ہور وزیر ہند نے مختلف سوالات کے جواب میں بتایا کہ حکومت مدافعت کیلئے مستعد، مقابلہ کیلئے تیار اور انتظام کیلئے مسلح ہے۔

**گاندھی جی کی مراجعت:۔** ۲۳ر دسمبر کو گاندھی جی لندن سے خالی ہاتھ واپس آ گئے۔ ان کی آمد سے بہت پہلے باہمی میثاق ٹوٹ چکا تھا اور بنگال میں تو حکومت نے اس کے چہرے کی ظاہری رعنائی بھی چھین لی تھی۔ گاندھی جی نے ساحل پر اُترتے ہی لارڈ ولنگڈن کو ملاقات کا تار بھیجا لیکن وہاں سے نفی میں جواب ملا، ۲ جنوری ۱۹۳۲ء کو سبھاش بابو بمبئی سے کلکتہ آ رہے تھے کہ گرفتار کر لئے گئے۔ اور ریگولیشن ۳/۱۸۱۸ کے ماتحت غیر معین عرصہ کے لئے نظر بند کر دیا گیا دو دن بعد گاندھی جی بھی پکڑے گئے۔ جواہر لال، گاندھی جی کو مل کر یو پی جا رہے تھے کہ دھر لئے گئے الغرض ایک قلیل وقفہ میں حکومت نے پکڑ دھکڑ کا وسیع ہاتھ پھیلا دیا، اور اسطرح قومی تحریک کی تنظیمی حالت کو کمزور پا کر میثاق کی دھجیاں اُڑا دیں،

حکومت ہند کے منظم کارخانے کے سامنے انقلاب پسندوں کا مختصر اور بے سروساماں قافلہ کب تک ٹھہر سکتا تھا، حکومت نے سرکوبی کے سارے لوازم برتے لیکن سر چارلس کو تسلیم کرنا پڑا کہ بنگالی انقلاب پسندوں جیسے بہادر دنیا کے کسی حصّے میں نہیں ملتے ہیں۔

**دوبارہ علالت:۔** حکومت نے پہلے تو آپ کو علی پور سنٹرل جیل ہی رکھا اور پھر سڈنی جیل بھیجدیا، یہاں آپکی صحت کا اُستوار ڈھانچہ پھر بگڑنے لگا، اور پچھلے عوارض زندہ ہو گئے رہائی کی آوازیں گونجیں لیکن اب حالات پہلے سے مختلف تھے، مختلف صوبائی جیلوں میں گھمایا پھرایا گیا مگر افاقہ کی کوئی صورت رونما نہ ہوئی۔ جب علالت نے طول کھینچا اور ڈاکٹروں نے مایوسی ظاہر کی تو ۲۳ فروری کو ساحل بمبئی سے سوئیٹزرلینڈ کیلئے ایک جہاز پر سوار کرادیا گیا لگادی کہ جہاز چلتے ہی پابندیاں ہٹ جائینگی مگر امریکہ اور انگلستان کو نہیں جا سکتے ہیں، تندرستی بحال ہو گئی تو آپ نے ہندوستان واپس آنا چاہا لیکن حکومت راضی نہ ہوئی، چاروناچار آپکو یورپ میں ٹھہرنا پڑا، سوئیٹزرلینڈ، روم آئرلینڈ، ترکی فرانس اور جرمنی وغیرہ میں گھومے پھرے، ان ملکوں کے بڑوں سے ملاقاتیں کیں، ڈی ولیرا اور مسولینی سے بھی ملے اس طویل سفر نے آپ کو ذاتی تجربہ، مشاہدہ، اور مطالعہ کی ایک وسیع دنیا سمیٹ دی، اور طرح طرح کی تحریکات و میلانات کو پرکھنے تولنے کا موقع بھی مل گیا جس سے آپ کی سیاسی فکر منجھ گئی اور آزادی کے جذبے کی بیخ د بیچ پہلے کی بہ نسبت مضبوط ہو گئی۔

**والد کا انتقال :-** ۱۹۳۹ء میں یکا یک آپکو خبر ملی کہ پتاجی زندگی کی آخری منزل میں ہیں، اور موت انکی عمر کا اثاثہ سلب کر رہی ہے۔ والد نے بیٹے سے آخری ملاقات کی خواہش ظاہر کی حکومت نہ مانی جب اسے یقین ہو گیا کہ اب زندگی کے دیپ کی جوت ہلکی پڑ رہی ہے، تو اس شرط پر رضامند ہو گئی کہ مل کر واپس چلے جائیں۔ آپ نے پدری شفقت کے تقاضہ پہ اس شرط کو بادل ناخواستہ گوارا کر لیا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ ابھی راستے ہی میں تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور ہندوستان پہنچے تو باپ کی چتا کا دھواں فضا میں تحلیل ہو چکا تھا۔

ایک ماہ تک ٹھیرے اور پھر واپس چلے گئے۔ ۳۶ء میں آپکو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کا جنرل سکرٹری منتخب کیا گیا کانگریس نے مطالبہ کیا کہ آپ سے ہندوستان آنے کی پابندی ہٹالی جائے۔ لیکن حکومت اپنی ضد پہ ڈٹی رہی ملک میں ایکدفعہ پھر ان پابندیوں کے خلاف غوغا ہونے لگا، اور رہائی کے مطالبہ کی صدائیں گونجنے لگیں مسٹر ہیلیٹ ہوم سکرٹری گورنمنٹ آف انڈیا نے مرکزی اسمبلی میں مسٹر نیل کنٹھ داس کی تحریک ملامت کے جواب میں بتایا کہ مسٹر بوس نوجوانوں میں بیحد مقبول ہیں ان میں اعلیٰ درجے کی تنظیمی قابلیت ہے انہیں ہندوستان میں آنے اور ٹھیرنے کی اجازت دینا نہ صرف بنگال بلکہ ہندوستان بھر کیلیئے خطرناک ثابت ہوگا، ہوم ممبر نے آپکے بعض ایسے خطوط کا ذکر بھی کیا، جن میں یورپ کے آزمودہ انقلابی طریقوں کو ہندوستان

میں چلانے کا تذکرہ اور فوج اور پولیس پر قابو پانے کے اشارات تھے۔

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی آنجہانی نے حزبِ مخالف کے لیڈر کی حیثیت میں حکومت کو چیلنج کیا کہ اگر فی الحقیقت اسکے پاس کوئی ثبوت موجود ہے، تو وہ کھلی عدالت میں مقدمہ چلائے محض عذر تراشی معقول وجہ نہیں کہی جاسکتی تحریک، علامت بکثرت آرا پاس ہوگی۔

اس بحث کے روز ہی دارالعلوم میں نائب وزیر ہند نے ایک سوال کے جواب میں انکشاف کیا کہ مسٹر بوس کو وزیر ہند کی طرف سے نوٹس بھیجا گیا ہے کہ اگر وہ ہندوستان پہنچے تو انہیں گرفتار کر لیا جائے گا۔

سبھاش بابو نے اسے اپنی قومی غیرت اور وطنی حمیت کے خلاف چیلنج سمجھا چنانچہ آپ نے ہندوستان میں ایک بحری تار بھیجا، کہ آپ ہوائی طیارے سے ہندوستان آرہے ہیں بہت سے یورپی دوستوں نے آپکو اس سے باز رکھنا چاہا بالخصوص فرانسیسی مدبر روماں وولاں نے صحت کی بنا پر منع کیا لیکن آپ نہ رکے اور اٹلی کے ایک جہاز سے ہندوستان کو روانہ ہو گئے۔ ۱۸ اپریل ۳۶ء کو ان کا طیارہ بمبئی پہنچا۔

انسانوں کا ایک بے پناہ ہجوم عقیدت کے گجرے لئے کھڑا تھا، جہاز سے اترے تو پولیس نے اسی وقت ریگولیشن نمبر ۳ کے ماتحت گرفتار کر لیا۔

ان دنوں کانگرس کا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہو رہا تھا پنڈت جواہر لال نہرو نے حکومت کے اس اقدام کی سخت مذمت کی مگر حکومت نے بہر صورت

اپنے وقار کو قائم رکھنے پر اصرار کیا، پرانے عوارض دوبارہ پلٹ آئے اور آپ کی صحت کی عمارت پھر ہل گئی، تشویش بڑھی، اضطراب پھیلا انجام کار دی۔ آنا کے ڈاکٹروں نے ایک پریس بیان دیا اس پر حکومت کی ضد جھکی اور ۱۷ر مارچ ۱۹۳۷ء کو آپ بلا شرط رہا کر دئے گئے کچھ عرصہ ہندوستان میں ٹھیرے، اور چاہا کہ صحت اپنے معیار پر لوٹ آئے لیکن پھر اسی جستجو میں یورپ کا قصد کر لیا اور ۸ر جنوری ۱۹۳۸ء کو لندن پہنچ گئے۔

**اعتدال و رجعت کا باغی:۔** یہاں اتنی بات ذہن میں رکھ لینا نہایت ضروری ہے کہ سبھاش بابو نے کبھی کانگریس کی راہنما جماعت پر نکتہ چینی سے احتراز نہیں کیا جہاں بھی انہیں راہنماؤں کا جھکاؤ اعتدال و رجعت کی طرف نظر آیا۔ آپ نے فوراً علانیہ نکتہ چینی شروع کر دی اور ہمیشہ انتہا پسندی پر یقین رکھا حتیٰ کہ قیام یورپ کے زمانہ میں آپ نے ہندوستان کی جدوجہد پر ایک کتاب لکھی جسمیں گاندھی جی اور ان کے افکار و نظریات پر بعض شوخ ریمارکس کئے۔

۳۶-۱۹۳۵ء میں جب آپ یورپ میں تھے تو آپ نے کانگریس کو لکھا تھا کہ آپ کو یورپ میں کانگریس کا باضابطہ نمائندہ بنا دیا جائے لیکن اُسوقت کی استدعا کو مسترد کر دیا گیا تھا آپ نے آئین ۱۹۳۵ء کے مجوزہ وفاق کی شدید مخالفت کی اور کانگریس کے اس ذہن کو انتباہ کیا جو اسکے قبول کرنے کی بابت سوچ رہا تھا۔

**صدارتی تاج:۔** گاندھی جی آپکے وسیع تنظیمی اثر کی کارفرمائی سے

غافل نہ تھے انہیں ایک مدت سے کانگریس میں صدر گر کا مرتبہ حاصل ہے حالات کی تیور شناسی گاندھی جی کا خاص وصف ہے۔ ان کی رائے اور دوسرے ممتاز لیڈروں کے اتفاق سے آپکو ہری پور کانگریس کا بلامقابلہ صدر بنا دیا گیا' آپ اس وقت لندن میں تھے' رائٹر کے نامہ نگار نے اطلاع دی تو آپ نے صحافتی ملاقات میں فرمایا۔

"میرے ہم وطنوں نے میرے صدارتی انتخاب سے نوجوانوں کو خراج تحسین ادا کیا ہے ہمارے مختلف گوشوں میں اختلافات کی نوعیت خواہ کیسی بھی کیوں نہ ہو' لیکن جہاں تک سامراج کا تعلق ہے ہم اسکے خلاف مشترکہ محاذ بنانے میں متحد و متفق ہیں۔"

۲۴ جنوری کو آپ ہندوستان آ گئے ۱۳ فروری کو سالانہ اجلاس کے موقعہ پر آپ نے ایک تاریخی ایڈریس پڑھا' اس خطبہ میں آپ نے ملکی مسائل کی تاریخی ضرورتوں پر ایک سیر حاصل تبصرہ کیا۔

**خطبے کا خلاصہ:-** سب سے پہلے آپ نے اُن شہیدوں کو خراج عقیدت ادا کیا جن کی زندگی وطن کی محبت پر نچھاور ہو گئی' پھر آپ نے سلطنتوں کے عروج و زوال پر نقد و بحث کی اور ان اشارات سے سلطنت برطانیہ کو انتباہ کیا کہ اگر اُس نے تاریخ سے سبق نہ لیا تو قدرت اسکے لئے اپنا فیصلہ نہیں بدل سکتی ہے آپ نے مشورہ دیا کہ سوشلسٹ طرز کا نظام ہی برطانوی حکومت کی رجعتی عمارت کو

منہدم کر سکتا ہے۔

اس ضمن میں آپ نے برطانیہ کی بین الاقوامی مشکلات کا ذکر بھی کیا، اور اس امر پر اظہار مسرت کیا کہ ریت کی یہ دیوار اب زیادہ دیر تک نہیں ٹھیر سکتی ہے۔

آپ نے ہندوستان کے مختلف مسئلوں پر تفصیلی تبصرہ کرتے ہوئے وفاقی آئین کے پرخچے اڑائے اور ستیہ گرہ کی وضاحت میں کہا کہ ستیہ گرہ کا مفہوم میرے نزدیک پر امن مزاحمت ہی نہیں بلکہ سرگرم مزاحمت ہے اس تحت میں آپ نے جنگ آزادی جاری رکھنے پر زور دیا آپ نے برطانیہ سے کامل انقطاع کی توضیحات کے ذیل میں فرمایا کہ ہمیں آئندہ قومی حکومت کا تعمیری خاکہ ابھی سے سوچنا چاہئے اس سلسلہ میں آپ نے ذیل کے اصولوں کا ذکر کیا۔

(۱) ملک کی خود حفاظتی کا سوال۔

(۲) وحدت ہندوستان کا لازمہ۔

(۳) مقامی و تمدنی خود مختاری کے نشو و ارتقا کا پلان۔

زبان کے سوال پر آپ نے اردو ہندی کی بحث کو سطحی قرار دیا اور مروجہ رسم الخط کی دونوں صورتوں کی تائید کی لیکن ایک رسم الخط کے سوال پر آپ نے لاطینی رسم الخط پر غور و بحث کی دعوت دی۔

ملکی افلاس کے سوال پر آپ نے بھاری تبدیلیوں کی تجاویز پیش کیں، فیڈریشن کے بارے میں آپ کے خیالات پہلے ہی واضح تھے

آپ نے کھلم کھلا اسکے نفاذ پر احتجاجی سول نافرمانی کی دھمکی دی اور بیشمار نظر بندوں کی رہائی پر زور دیتے ہوئے اخیر میں صدارتی دستور کے مطابق گاندھی جی کی دیرپا سلامتی کیلئے دعا کی۔

**۳۸ کا سال:-** اس سال یورپ میں جنگ کی گھنگھور گھٹاؤں کے برسنے کا ہر لمحہ خطرہ تھا سبھاش ملک کو بین الاقوامی حالات سے فائدہ اُٹھانے کے لئے تیار کر رہے تھے اور ہمیشہ صورت حال کی کسی اہم کروٹ پر ایسا بیان دیدیتے جس سے برطانوی اعوان حکومت کو پریشانی ہوتی گاندھی جی اور انکی پیرو کار راہنما جماعت بھی سبھاش کے ان خیالات کو غیر مشورتی اقدام سمجھتی لیکن اندرونی تضاد ابھی تک بیرونی رائے عامہ کے ذہن پر نمایاں نہ تھا۔ ۱۹۳۹ء میں جب تری پورہ کانگرس کیلئے صدارتی انتخاب کا معاملہ آیا تو سبھاش بابو کا نام دوبارہ لئے جانے لگا۔ اور وہ اُمیدوار بن گئے یہاں سے اس اختلافی حکایت کی شدت اُبھر آئی۔ "ہائی کمان آپکو دوبارہ صدر نہیں چاہتا تھا۔ صدارتی ناموں میں مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر ستیہ رامیہ پٹا بھائی کا اعلان بھی ہوگیا۔ سبھاش نے دست برداری سے انکار کر دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے ڈاکٹر پٹا بھائی کے حق میں اپنا نام واپس لے لیا۔ سردار پٹیل، راجندر بابو، مسٹر جے رام داس، دولت رام آچاریہ کرپلانی، مسٹر شنکر راؤ دیو، اور شری بھولا بھائی ڈیسائی نے مشترکہ دستخطوں سے ایک بیان جاری کیا جس میں سبھاش بابو سے اپیل کی گئی کہ وہ ...... ستیہ رامیہ کے حق میں بیٹھ جائیں۔

سبھاش نے ایک جوابی بیان میں الزام لگایا کہ یہ سب کچھ دفاق کے معاملہ میں سمجھوتے کی سپرٹ کے زیر اثر کیا جا رہا ہے، اور اجارہ دار لیڈر شپ سودا بازی کر رہی ہے۔

اس تلخ بیانات بازی کے بعد ۳۰ جنوری ۱۹۳۹ء کو شری سبھاش بابو ۱۵۸۰ ووٹ لیکر کامیاب ہو گئے اور انکے مد مقابل کو ۱۳۷۷ ووٹ ملے یہ صدارتی انتخاب دراصل ملک کے بدلے ہوئے سیاسی میلان کا مظہر تھا گاندھی جی نے اپنے ایک بیان میں سیتا رامیہ کی شکست کو وار دھا کی شکست کہا چونکہ اس انتخابی فیصلے سے جماعت عاملہ کے عمومی وقار کو صدمہ پہنچا تھا اس لئے ۲۵ فروری کو جماعت عاملہ کے بارہ ارکان نے استعفیٰ دیدیا سبھاش بابو اسوقت کلکتہ میں بعارضہ نمونیا بیمار پڑے تھے اور روزانہ ٹمپریچر ۱۰۲ تک پہنچ جاتا تھا، آپ نے طوعاً و کرہاً یہ استعفیٰ منظور کر لیا۔

**سالانہ اجلاس:-** بیمار ہی تھے کہ اجلاس آ پہنچا ڈونے پونے تری پور پہنچے گو اس وقت ملک کی پولیٹکل زندگی کا اجتماعی رجحان کسی خاص نظریے کے فیصلے پر آپکے ساتھ نہ تھا بلکہ محض وقتی جذبات کی عقیدتمندیاں تھیں لیکن گاندھی جی نے عین اسی موقع پر راج کوٹ میں مرن برت رکھ کر جذبات میں ایک بڑی دراڑ پیدا کر لی اور عقیدت کا بہاؤ بدل دیا،

پنڈت گوبند وسبھ پنت نے ۸ مارچ کو اجلاس میں گاندھی جی پر اعتماد کی قرار داد پیش کی، جس میں صدر سے التماس کی گئی کہ وہ گاندھی جی

کے مشورے اور رائے ہی سے جماعت عاملہ کو چنیں اسی تجویز میں سابقہ جماعت عاملہ کی کارگذاری کو سراہا گیا اور اس بات پر افسوس کیا گیا کہ کسی ممبر پر یہ کوئی الزام لگایا جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ قرار داد صدارتی شکست کے جواب میں ایکطرح کا منتقمانہ ہتھیار تھا اور بالفاظ دیگر صدر کے خلاف بالواسطہ عدم اعتماد کی تجویز! ہاؤس میں اجارہ دار لیڈرشپ کے طرفدار اکثریت میں تھے۔ اور یوں بھی راجکوٹ کے برت سے، گاندھی جی جذبات کی زنگرت لینے میں کامیاب ہو گئے تھے ایک طویل بحثا بحثی کے بعد قرار داد ۲۱۸ ۱۳۵ کی نسبت سے منظور ہو گی۔

سبھاش باعتبار صحت اس وقت زندگی و موت کی کشاکش میں مبتلا تھے اس ذہنی جبر نے آپ کا درجہ حرارت ۱۰۵ تک پہنچا دیا آپ کے بھائی شری سرت چندر بوس نے آپ کا صدارتی خطبہ پڑھا گیارہ مارچ تک دوران آپکی حالت انتہائی تشویشناک صورت اختیار کر گئی ڈاکٹروں نے تجویز کی کہ آپ کو فوری طور پر جبل پور کے ہسپتال میں بھیجدیا جائے جواہر لال نہرو یہ پیغام لے کر گئے لیکن آپ اجارہ دار لیڈرشپ کی سنگدلی سے اسقدر لاچار ہو گئے تھے کہ جانے سے انکار کر دیا اور کہا:

"میں جبل پور کے ہسپتال کی نسبت تری پوری کانگرس نگر میں مرجانا پسند کرتا ہوں۔"

دو روز بعد آپ کو کلکتہ لے جایا گیا اس واقع سے دو باتیں صاف طور

اُبھر آئیں ایک یہ کہ اجارہ دار جماعت کو کسی طرح اپنی سیاسی حاکمیت اور فکری آمریت سے دست بردار ہونا گوارا نہ تھا اور دوسرا یہ کہ سبھاش بابو کے استقلال کا رنگ، کتنا گہرا تھا۔

۲۵، مارچ کو آپ نے کلکتہ سے ایک بیان جاری کیا جس میں ان الزامات کا جواب دیا۔ جو ورکنگ کمیٹی کی نامزدگی میں تاخیر کے متعلق لگائے جا رہے تھے اس میں آپ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا، کہ اگر انتہا پسندوں کو جماعت عاملہ میں نمائندگی نہ ملی تو وہ صدارت سے مستعفی ہو جائینگے۔

**چناؤ کا معاملہ:۔** جماعت عاملہ کے چناؤ کی بحث میں گاندھی جی اور سبھاش کے درمیان طویل خط و کتابت ہوئی خط و کتابت کا دائرہ ۳۲ تاروں اور ۱۳ خطوں میں سمٹا ہوا تھا اس کا لب لباب یہ تھا کہ سبھاش گاندھی جی کی ذات کو اس نازک مرحلہ پر دونوں گروپوں کیلئے حلقہ اتصال سمجھتے تھے۔ اور بار بار ان سے ایک مشترکہ کابینہ بنانے کے لئے اپیل کرتے تھے مگر گاندھی جی کی طرف سے تشریح طلب نکات کا جواب خاموشی اور پھر ایک طرح کی معذوری کے سوا کچھ نہ ملتا تھا گاندھی جی ان حالات میں ایک خیال کی ورکنگ کمیٹی چاہتے تھے اور ان کے متضاد متخالف الفاظ سے ظاہر ہوتا تھا کہ سبھاش کو دست برداری کیلئے مجبور کر رہے ہیں جب خط و کتابت بے نتیجہ رہی تو ۲۹، اپریل کو کلکتہ میں آل انڈیا کانگرس کمیٹی کا اجلاس بلایا گیا ایک روز پہلے گاندھی جی اور سبھاش میں ملاقات ہوئی لیکن مفاہمت کی صورت نہ پیدا ہو سکی۔ جب

تمام کوششیں رائیگاں ہو چکیں تو سبھاش بابو نے اجلاس میں اپنے مستعفی ہونے کا اعلان کر دیا، جواہر لال نے تجویز پیش کی کہ صدر کو اپنا استعفیٰ واپس لے لینا چاہیئے۔ اور اس قضیہ کو سلجھانے کیلئے پرانی ورکنگ کمیٹی ہی کو نامزد کر دینا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بگاڑ کا کوئی بنیادی حل نہ تھا بلکہ وہی پرانی ڈگر جس پر پرانے کانٹے موجود تھے۔

اجلاس میں خوب گرما گرمی ہوئی موافق و مخالفت آرا کا ایک طوفان امنڈا اور ٹکرا نے لگا، انجام کار ڈاکٹر چوتھ رام گڈوانی کی تحریک پر بابو راجندر پرشاد کو آپ کی جگہ صدر چن لیا گیا۔ جونہی اس تبدیلی کا فیصلہ ہوا پنڈال میں ایک اُدھم سا مچ گیا بابو راجندر پرشاد کی تقریر روک دی گئی ہر سمت غصہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ راجن بابو کو عوامی چنگل سے والنٹیروں کے ایک دستہ نے بچایا پنڈت پنت اور بھولا بھائی ڈلیبائی کی کار پر سنگباری کی گئی جماعت عاملہ کے دو ممبروں ڈاکٹر گھوش اور کرن شنکر کو لوگوں نے بری طرح پیٹا، جواہر لال کے خلاف انکی اقامت گاہ پر مخالفانہ مظاہرے کیئے گئے اور گاندھی جی پر جوتا پھینکا گیا بوس بھائیوں نے صورت حال کی اس خرابی کو محسوس کرتے ہوئے نوجوانوں کو صبر و ضبط کی تلقین کی، اور اسطرح وقتی ناراضی کا یہ سیلاب سکون پذیر ہو گیا۔

**فارورڈ بلاک:-** صدارت سے الگ ہوتے ہی آپ نے فارورڈ بلاک کی بنیاد رکھی اور اعلان کیا کہ اس کا مقصد ملک کی

انقلابی سپرٹ کو یکجا رکھنا اور کانگریس کے آئین پسندی کی طرف بے تحاشا جھکاؤ کو روکنا ہے۔

سبھاش بابو اس بلاک کو سامراج دشمن انتہا پسندوں کی نمائندہ جماعت بنانا چاہتے تھے، لیکن جیسا کہ بعد کے حالات سے ثابت ہوا اسمیں انہیں خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی، ایک تو جن حالات میں بلاک بنا تھا، انمیں ظاہری و باطنی تصادم تھا، دوسرے اسے کانگریس کی ہمہ گیر قوت کا متقابل سمجھ لیا گیا تھا، تیسرے فارورڈ بلاک میں مرکزی شخصیت صرف سبھاش بابو تھے جو بنگال میں تو کانگریس کے متوازی طاقت پیدا کر سکتے تھے لیکن سارے ملک میں کانگریس کی سی وسعت حاصل کرنا محال تھا، چوتھے فارورڈ بلاک "تصوریہ جماعت" نہیں صرف ہیجانی ذہن تھا جو اصول کی بجائے ناراضی سے بنا تھا، پانچویں کانگریس سوشلسٹ پارٹی نے تری پور میں ساتھ چھوڑ دیا تھا چھٹے فارورڈ بلاک میں جو لوگ جمع ہو گئے تھے وہ عموماً کانگریس سے باہر کیے ہوئے تھے اور وہاں گنجائش نہ پاکر یہاں ٹک گئے تھے ایسے ہی بہت سے اسباب اور بھی تھے مگر سبھاش کا فیصلہ عموماً ناطق ہوتا تھا، اور مایوسی کو کم ہمتی کا پھل سمجھتے تھے آپ نے فارورڈ بلاک کو مضبوط کرنے کی جد وجہد شروع کردی تمام ملک کا دورہ کیا اور ہر جگہ ایک لہر سی پیدا ہو گئی۔

اسی اثنا میں کانگریس ہائی کمان نے فیصلہ کر دیا کہ کوئی کانگریسی صوبائی جماعت کی اجازت بغیر ستیہ گرہ نہیں کر سکتا اور نہ کانگریسی

وزارتوں پر نکتہ چینی کا مجاز ہے۔"

سبھاش بابو نے ملک سے اپیل کی کہ وہ اس حکم کے خلاف ۹ ر جولائی کو یوم احتجاج منائے چونکہ آپ فارورڈ بلاک کے علاوہ صوبہ کانگریس کمیٹی بنگال کے صدر بھی تھے اس لئے راجن بابو نے ضابطے کے طور پر آپکو منع کیا مگر آپ نہ مانے حتیٰ کہ صوبہ کی ورکنگ کمیٹی نے بھی آپ کی تائید کی۔

**اخراج:-** گیارہ اگست کو واردھا میں ورکنگ کمیٹی کا جلسہ بلایا گیا اور آپکو تادیبی طور پر تین سال کیلئے کانگریس کی ممبری کے حلقہ دائروں سے خارج کر دیا گیا اور صوبہ کانگریس کمیٹی کو بھی معطل کر دیا گیا آپ نے اس فیصلہ کو خندہ پیشانی سے سنا اور اپنے کام پر ڈٹے رہنے کا اعلان کیا ملک کے انتہا پسند گوشوں میں اس سے اضطراب کی لہر دوڑ گئی، کانگریس سوشلسٹ پارٹی کے سرکردہ ممبروں نے اس فیصلے کی ایک مشترکہ بیان میں مذمت کی ۱۸ ر اگست کو دیش بندھو داس پارک میں آپ نے تقریر کرتے ہوئے۔

گاندھی جی کے بکیطرفہ رجحان پر نکتہ چینی کی اور کہا کہ میں نے عدم تشدد کے دیوتا پر جو اعتماد کیا تھا وہ غلط تھا۔

ابھی حال ہی میں لفٹیننٹ کرنل ڈھلوں کے ساتھ راقم التحریر کو یکجا رہنے کا موقع ملا، اُن سے معلوم ہوا کہ فارورڈ بلاک کے متعلق سبھاش بابو کا خیال تھا کہ آپ نے اس کے بنانے میں غلطی کی اور اس کا ذکر انہوں نے کئی دفعہ کیا۔ میں نے وجوہات پوچھیں تو کرنل ڈھلوں نے بتایا کہ

ہمارے فوجی معاملات اس قدر ہوتے تھے کہ اس قسم کی باتوں کو ہم تضیع اوقات سمجھتے تھے تفصیلات پر کبھی گفتگو نہیں ہوئی۔

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے ڈنبرگ پر چڑھائی کر دی،

**جنگ یورپ:**۔ ۳ ستمبر کو برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کیخلاف اعلان جنگ کر دیا اور اسی روز وائسرے نے ہندوستان کو پوچھے بغیر اسکو بھی فریق جنگ بنا دیا اس پر غور کرنیکے لیئے کانگرس ورکنگ کمیٹی کا فوری اجلاس واردھا میں بلایا گیا سردار پٹیل نے تار دیکر سبھاش بابو کو بھی دعوت شرکت دی آپ نے دعوت منظور کر لی، لیکن کانگرس کی قرار داد سے آپ متفق نہ ہو سکے اور واپس چلے گئے۔

آپ حالات سے فوری فائدہ اٹھانے کے حق میں تھے اور تیزی سے عملی اقدام کے خواہاں، گاندھی جی اپنے روایتی طریقوں کی آزمائش پر مصر اور انتظار و تعاقب (watch and wait) کی پالیسی پر چلنا چاہتے تھے، ایک موقع پر تو آپ نے کھلم کھلا کہہ دیا کہ جب تک ملک پورے طور پر تیار نہیں ہوگا میں سول نافرمانی کی مزاحمت کروں گا، اکتوبر کے مہینے میں کانگرس وزارتوں نے عہدوں سے علیحدگی اختیار کر لی حکومت نے نہایت ہوشیاری سے ملک کے انقلابی عناصر پکڑنے شروع کر دئیے،

۲۰ مارچ ۱۹۴۰ء کو سبھاش بابو نے قومی ہفتہ منانے کے لیئے ایک نیا پروگرام پیش کیا، جس میں ایکدن جھوٹے کا سفر و ضوبت جلانے کیلئے وقف تھا، اپریل میں رام گڑھ کانگرس کے ساتھ ساتھ آپ نے اینٹی کمپرومائیزز کانفرنس

منعقد کی اور سمجھوتے کے خیالات کو بڑی طرح رگید ا ——— اسوقت سارا ملک لڑائی کے دہانے پر کھڑا تھا؛

**بلیک ہول:-** برطانوی تاریخ سازوں نے ہندوستان کے ماضی کو جس گھناونے رنگ میں پیش کیا ہے اس میں بلیک ہول کا فرضی سانحہ بھی کلا یوزادوں نے نواب سراج الدولہ کے دامن پر ٹانک رکھا ہے اس افسانہ کے راوی ہالویل کا مجسمہ بطور یادگار کلکتہ میں نصب تھا سبھاش بابو نے اس قومی ہتک کو ہٹانے کا مطالبہ کیا اور ستیہ گرہ کی دھمکی دی، حکومت نے ایک قابل مواخذہ مضمون اور تقریر کی آڑ لے کر آپ کو گرفتار کر لیا، ادھر ۲ر جولائی کو آپ کی گرفتاری ہوئی ادھر چھ جولائی کو نوجوانوں نے مورچہ لگا دیا، آخر حکومت جھکی، ۲۲ر جولائی کو اس نے اعلان کیا کہ مجسمہ اٹھایا جا رہا ہے ستیہ گرہی رہا کر دئے گئے لیکن آپکو نہیں چھوڑا گیا،

۱۷ر اکتوبر ۱۹۴۰ء کو گاندھی جی نے انفرادی ستیہ گرہ کا آغاز کیا اور اپنے آشرم کے ایک بھگت شری ونوبا بھاوے کو پہلا ستیہ گرہی بنایا۔

آپ جیل ہی میں تھے کہ ڈھاکہ ڈویژن کے ایک ضمنی ہندو حلقے سے مرکزی اسمبلی کیلئے بلا مقابلہ ممبر منتخب ہو گئے، اسی اثنا میں ۲۹ نومبر کو پتہ چلا کہ آپ نے جیل میں اپنی اسیری کے خلاف بھوک ہڑتال کر رکھی ہے ۵ر دسمبر کو حکومت نے مغالطہ جوعی کے نتائج کی ذمہ داری سے بچنے کیلئے آپکو رہا کر دیا، آپ نے رہا ہوتے ہی اپنی اقامت گاہ میں گوشہ نشینی

اختیار کر لی۔

آپ چاہتے تھے کہ ملک میں اجتماعی تحریک پیدا ہو۔ آپ نے اسکے لئے گاندھی جی پر بہت زور ڈالا اور انہیں اپنی بات پر لانے کی ہر امکانی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے" گاندھی جی کو اسوقت تک اتفاق نہ تھا اور سبھاش بابو گاندھی جی نہیں تھے۔

۲۶ ؍ جنوری ۱۹۴۱ء کو یوم آزادی تھا معاً ہندوستان میں

**فراری** :- یہ خبر پھیل گئی کہ سبھاش اپنے گھر سے پر اسرار طور پر غائب ہو گئے ہیں، کہاں گئے ہیں اس کا کسی کو علم نہ تھا قیاس آرائیاں ہونے لگیں مختلف بیان آئے عموماً یہ کہا گیا کہ وہ حالات سے دل برداشتہ ہو کر، ہمالہ یا جنوبی ہند کی طرف چلے گئے ہیں ایک عرصہ تک اُن کی گمشدگی کا سوال معمہ بنا رہا، حکومت کے محکمہ سراغ رسانی نے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن پتہ اسوقت چلا جب ۲۸ ؍ مارچ کو آپ کے برلن پہنچنے پر جرمن ریڈیو نے دنیا کو مطلع کیا، اس وقت حکومت ہند کے پاس اپنے محکمہ سراغرسانی کی ماتم سرائی کے سوا کچھ نہ تھا۔

ہندوستان سے آپکی فراری کے متعلق بہت سی روایات پھیلی ہوئی ہیں، انہیں سچائی کا نکھار بحالات موجودہ مشکل ہے، راقم التحریر نے ذاتی طور پر بعض ادنچے سیاسی حلقوں سے اس کہانی کی تلاش کی، لیکن افسانوی عنصر زیادہ پایا، بعض جگہیں عقیدت نے گھیر رکھی ہیں، بعض مقام خود بولتے ہیں۔ کہ انہیں خلا ہے اور اکثر لوگ انگریزی ناولوں کے کسی مفرور کردار

کا قصہ سنا دیتے ہیں۔

روزنامہ "پربھات" لاہور نے سب سے پہلے اپنے جے ہند ایڈیشن (۲۴ جنوری ۱۹۴۶ء) میں اپنی معلومات کے ثقہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ لیکن لالہ اُتم چند نے جس کا ذکر پربھات نے بھی کیا ہے۔ اور جو کابل میں سبھاش بابو کے میزبان تھے۔ اپنی کتاب "سبھاش بابو جاپان کس طرح گئے" میں اس کہانی کو سبھاش بابو کی زبانی لکھا ہے،

پربھات لکھتا ہے کہ اس فراری میں کمیونسٹوں نے سبھاش بابو سے دھوکا کیا اور ان سے روپیہ اینٹھا' لالہ اُتم چند کی کتاب' کے بین السطور سے پتہ چلتا ہے کہ اس کتاب کا مقصد اتنا نفس مضمون سے نہیں جتنا کہ کمیونسٹوں کو اس الزام کی زد سے بچانا ہے عمق نظر سے دیکھا جائے تو اس کتاب میں افسانوی بول چال زیادہ ہے اور قاری کو محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے غیر نمایاں چیزوں کو نمایاں اور نمایاں پہلوؤں کو غیر نمایاں بلکہ مدھم اور بعض جگہ غائب کر دینے کی کوشش فرمائی ہے' لالہ اُتم چند نے سبھاش بابو سے سب کچھ پوچھا اور انہوں نے بلا کم و کاست بتا بھی دیا لیکن جس جگہ دوسرے راویوں نے کمیونسٹوں کو متہم ٹھہرایا ہے وہاں' لالہ اُتم چند کچھ پتہ دئے بغیر چپ چاپ گذر جاتے ہیں اور پڑھتے وقت معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی چیز رہ گئی ہے' پربھات نے آپ کی گمشدگی کی جو زنجیریں تلاش کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں :-

(۱) سبھاش بابو نے آغاز جنگ میں ہی گم ہو جانے کا ارادہ کیا

تھا لیکن کرتی پارٹی کے کسی ممبر نے سردار بلدیو سنگھ سے ذکر کر دیا' آپکو علم ہوا تو آپ نے بُرا مانا اور رک گئے آپ کا خیال تھا کہ اس وقت غیر ملکی امداد کے سہارے ہندوستان کی آزادی کا ساز و سامان پیدا کیا جا سکتا ہے۔

(۲) دوسری دفعہ سردار نرنجن سنگھ طالب ایڈیٹر "ریشن وربن" کی معرفت سے ایک آزمودہ کمیونسٹ ورکر سوڈھی سرمہندر سنگھ کو جو آجکل ریاست کوٹہ میں کاروبار کرتا ہے' شریک راز بنایا گیا' اور ہندوستانی سرحدوں سے پار لے جانے تک کی ڈیوٹی اسکے سپرد کی گئی۔

(۳) مقررہ تاریخ کو آپ گھر سے نکلے' سائیکل سے ایک قریبی ریلوے اسٹیشن پر پہنچے الہ آباد تک تھرڈ کلاس میں سفر کیا' پھر کچھ حصہ لاری میں طے کیا' پھر کسی اسٹیشن سے سوار ہو کر امرتسر پہنچ گئے۔ امرتسر سے لاہور تک فقیرانہ لباس میں پیدل گئے لاہور سے لاری پر راولپنڈی اور راولپنڈی سے پشاور چلے گئے' یہاں دو روز ٹھیرے' کمیونسٹوں نے روپے کی طلب میں کوئی اڑچن پیدا کر دی لیکن معاملہ جلد ہی سلجھ گیا'

(۴) پشاور سے کامریڈ بھگت رام کو رفیق سفر کے طور پر ساتھ لیا اور دیہی پہاڑی راستوں سے گذر کر کابل پہنچ گئے' افغان علاقے کی نشان دہی کیلئے عباد خاں نامی ڈرائیور نے راہنمائی کی۔

(۵) کابل پہنچے تو میزبان قندھار جا چکا تھا' مجبوراً ایک شکستہ حال سرائے میں قیام کیا وہاں افغان سی۔ آئی۔ ڈی پیچھا کرنے لگی اور رشوت

دے کر گلو خلاصی کرائی،

(۶) رُوسی سفیر سے ملے اُس نے ماسکو پہنچانے سے انکار کر دیا مجبور ہو کر جرمن سفیر سے ملاقات کی، وہ راضی ہو گیا اور سسلی کے ایک باشندے کے نام سے جعلی پاسپورٹ بنا کر برلن روانہ کر دیا۔ وہاں نازی راہنماؤں نے آپ کا استقبال کیا اور برینڈن برگ ہوٹل کے ایک کمرہ میں ٹھہرایا،

لالہ اُتم چند نے ذیل کی کہانی سبھاش بابو کی زبانی، اپنی کتاب میں بیان کی ہے، جس کے بعض اجزا بجنسہٖ نقل کئے جاتے ہیں،

سبھاش بابو نے لالہ اُتم چند سے بیان کیا "ماسکو جانیکا میرا ارادہ بہت دنوں سے تھا۔ مگر اس کا انتظام کئی مہینے بعد ہوا۔ جس پارٹی نے انتظام کرنیکا وعدہ کیا تھا۔ وہ مجھے آج سے دو مہینے پہلے ہی کلکتہ سے نکالنا چاہتی تھی۔ لیکن ان دنوں میرا وہاں سے نکلنا مشکل تھا۔ اول تو کلکتہ کارپوریشن کا ایک ایسا کام تھا جو میرے بغیر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا تھا۔ دوسرے اس وقت داڑھی بھی اتنی نہیں بڑھی تھی کہ آسانی سے بھیس بدل سکتا۔ اس لئے اس وقت میں نے انکار کر دیا۔ لیکن اب محسوس کرتا ہوں کہ اگر جانیکے لئے تیار ہو گیا ہوتا تو کوئی تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی جو آدمی اس وقت میرے ساتھ جانے والا تھا۔ اس کے تعلقات روسی سفیر سے تھے۔ جب میں اس کے ساتھ جانے کے لئے راضی نہ ہوا تو وہ اکیلا چلا گیا۔ اور وہ آجکل ماسکو میں ہے کارپوریشن کی زمین کا کچھ جھگڑا تھا۔ اسے طے کر کے میں نے مکان سے نکلنا بند کر دیا۔ اور یہ مشہور کر دیا کہ میری صحت خراب

ہو گئی ہے۔ اور ڈاکٹروں نے مجھے کچھ دن کے لئے آرام کرنے کے لئے کہا ہے ساتھ ہی میں نے لوگوں سے ملنا جلنا بھی بند کر دیا تھا۔ اور اگر کوئی بہت ہی ضروری کام ہوتا تو میں ٹیلیفون سے بات کر لیتا۔ بھاگنے کے کچھ دن پہلے میں نے اپنے رشتہ داروں کو بھی کمرے میں آنے سے منع کر دیا تھا۔ جو نوکر کھانا لے کر آتا تھا۔ اسے بھی ہدایت تھی کہ کھانا باہر کے کمرے کی میز پہ رکھ جائے۔ اس کو کمرے کے اندر آنے کی ممانعت تھی۔

ان دنوں میں نے اُن لوگوں کو اطلاع دی جنہوں نے میرے جانیکا مکمل انتظام کرنا تھا۔ تاریخ وغیرہ کا سب فیصلہ ہو گیا۔ میں ڈاڑھی رکھنے کے چالیسویں دن رات کو آٹھ بجے ایک مولوی کے بھیس میں گھر سے نکل کر موٹر میں کلکتہ سے چالیس میل کے فاصلہ پر ایک ریلوے اسٹیشن پر پہنچا اور پشاور تک کا سکنڈ کلاس کا ٹکٹ لیکر گاڑی میں بیٹھ گیا۔" اس رات کا سفر خیریت سے کٹا۔ دوسرے دن اس ڈبے میں ایک فوجی سکھ آیا اور چونکہ وہاں ہم دو ہی تھے۔ آپس میں بات چیت کرنی ضروری ہو گئی۔

باتوں باتوں میں فوجی سردار نے میرے وطن کی بابت دریافت کیا۔ اور سفر کے مقصد کے متعلق بھی معلوم کیا۔ میں نے اسکو بتایا کہ میرا نام ضیاء الدین ہے۔ لکھنؤ کا رہنے والا ہوں بیمہ کمپنی کا آرگنائزر ہوں اور دورے کیلئے راولپنڈی جا رہا ہوں۔ دن کا سفر اس کے ساتھ ہی کٹا۔ راستے میں جب کوئی بڑا اسٹیشن آتا تھا تو پڑھنے کا بہانہ کر کے میں اخبار منہ کے آگے رکھ لیتا تاکہ کوئی پہچان نہ سکے۔

"اس وقت میں نے تنگ پاجامہ، پمپ شو، شیروانی اور ترکی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ اس پوشاک میں بڑھی ہوئی ڈاڑھی کی وجہ سے اس وقت کسی کو مجھے پہچاننا مشکل تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یو۔پی کے مقام کا مولوی ہوں۔

۱۷ جنوری کو تقریباً نو بجے میں پشاور پہنچا۔ اسٹیشن پر موٹر آئی ہوئی تھی۔ اس پر سوار ہو کر مقررہ مقام پر جا پہنچا۔"

"پشاور میں مجھے دو دن ٹھہرنا پڑا۔ کیونکہ میرے دوستوں کو کابل کے سفر کا انتظام کرنا تھا۔ میرے پشاور میں ہونے کی اطلاع کسی کو نہیں ہوئی۔

۱۹ جنوری کو صبح مجھے پٹھانی کپڑے دے گئے۔ اس لباس میں میں رحمت خاں اور ایک دوست کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر پشاور سے چل دیا۔ ہم تینوں کے علاوہ موٹر چلانے والا ایک ڈرائیور بھی تھا۔ شہر سے نکل کر ہم اس سڑک پر ہو لئے جو زمرد کو جاتی تھی۔ زمرد قلعہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک دوسری سڑک جاتی تھی۔ اسی پر ہم چل دئے۔ آخر ہم گڑھی نام کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پہنچے جہاں ہم نے ساری رات گذاری۔ صبح میں رحمت خاں (کامریڈ بھگت رام کا اختیار کردہ فرضی نام) اور دو اور پٹھانوں کے ساتھ جنہوں نے حفاظت کے لئے بندوقیں لے لی تھیں۔ کابل پیدل چلے پشاور سے جو دوست ساتھ آئے تھے وہ واپس چلے گئے۔ مجھے میرے دوستوں نے پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ میں اپنے آپکو گونگا اور بہرا بنا لوں۔ اور پاگل جیسی حرکتیں کروں۔ تمام راستے میں جب کبھی کسی نے بات چیت کرنیکی کوشش کی تو رحمت خاں

نے مجھے گونگا اور بہرا بنا کر خاموش کر دیا۔

آخر شام کے وقت ہم ہندوستان کی سرحد پار کر آزاد قبیلے کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں جا پہنچے۔ یہاں پر زیارت کی ایک مشہور جگہ ہے جسے اڈا شریف کہتے ہیں ہمارے لئے سب انتظام پہلے سے کیا گیا تھا۔ راستہ پہاڑی ہونے کی وجہ سے ہم بہت تھک چکے تھے۔ وہ رات ہم نے بابا کی مسجد میں گذاری"۔

اگلے دن صبح جب ہم اُٹھے تو تھکاوٹ دُور نہیں ہوئی تھی۔ مگر وہاں سے چلنا ضروری تھا۔ ناشتہ کر کے ہم نے سفر شروع کیا۔ جو دو آدمی ہماری حفاظت کے لئے گڑھی سے آئے تھے وہ واپس چلے گئے۔ اور تین نئے آدمی بندوق لے کر ہمارے ساتھ چلے۔ راستہ بہت مشکل تھا۔ اس لئے اس دن پہلے دن سے کم منزل طے ہوئی۔ رات کو نو بجے تک ہم لال پورا پہنچے۔ وہاں پر پہلے ہی سے مکمل انتظام تھا۔ رات آرام سے گذری۔ ہم اتنے تھکے ہوئے تھے۔ کہ لیٹتے ہی نیند آگئی۔ لال پورا چھوٹا سا ایک گاؤں ہے۔ جہاں دریا بہتا ہے۔ جس آدمی نے ہمارے لئے انتظام کیا تھا وہ وہاں کا ایک بڑا خان تھا افغان سرکار میں اسکی وقعت اور اثر تھا۔ لال پورا میں تو اس کی حکومت سمجھی جاتی تھی۔ چلتے وقت اس نے ہمیں ایک رقعہ دیا۔ اور کہا اگر راستے میں کوئی تنگ کرے تو یہ رقعہ دکھا دینا۔ اس رقعہ کے دکھانے پر تمام افغانستان میں کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔ رقعہ فارسی میں تھا۔ اور اس میں لکھا ہوا تھا کہ ضیاء الدین اور رحمت خاں آزاد قبیلے کے باشندے ہیں۔ میں انہیں اچھی

طرح جانتا ہوں۔ یہ اب سبحی صاحب کی زیارت کرنے کیلئے جارہے ہیں۔" چلنے کی تیاری کی مگر میرے لئے چلنا مشکل تھا۔ لیکن چلے بغیر گذارہ بھی نہ تھا۔ سب انتظام مکمل تھا۔ حفاظت کے لئے دو آدمی بندوق لئے ہمارے ہمراہ چلے۔ چند میل چلنے کے بعد ہم دریا کے کنارے پہنچے اسے پار کرنیکے لئے کوئی کشتی نہیں تھی۔ وہاں کے لوگ مشکوں میں ہوا بھر کے اور آپس میں باندھکر ایک ناؤ سی بنا لیتے ہیں اور اسی پر بیٹھکر دریا پار کرتے ہیں۔ پہلے تو مجھے اسطرح دریا پار کرنا مشکل معلوم دیا۔ لیکن بعد میں سب کو اس طرح جاتے ہوئے دیکھکر ہمت باندھی۔ دریا کے اس پار افغان حکومت تھی۔ یہاں ہتھیار لیکر سفر کرنا منع تھا۔ اس لئے جو حفاظتی ہمارے ساتھ آئے تھے وہ واپس چلے گئے۔ رحمت خاں کے ساتھ مشکوں پر سوار ہوکر جس پر ملاحوں نے ایک جال بچھا دیا تھا دریا کے دوسری طرف پہنچے اس وقت ہم گاؤں سے پانچ سات میل کابل کی طرف آ گئے تھے۔"

ہمیں بتایا گیا تھا کہ پیشاور اور ٹھاکا[1] کے درمیان تین بار پاسپورٹ دیکھا جاتا ہے۔ اتنی مصیبت سے بچنے کے لئے ہم نے دریا پار کرنے کا انتظام کیا تھا۔

---

[1] ٹھاکا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو پیشاور سے تقریباً ۵ میل دور ہے۔ یہاں کابل سے آنے جانے والے مسافروں کو پاسپورٹ دکھانا پڑتا ہے تمام مال اور اسباب کی تلاشی بھی دینی پڑتی ہے۔

جب ہم سڑک کے نزدیک پہنچے تو وہاں ایک جھنڈی لگی ہوئی تھی۔ وہ جگہ جھنڈی کے نام سے مشہور تھی۔ وہاں چند بڑے بڑے درختوں کا ایک جھنڈ تھا۔ اور نزدیک ہی ایک چھوٹا سا کنواں تھا۔ میں تو لاری کے رُکنے کا انتظار کرتا کرتا لوٹ آیا۔ اور رحمت خاں کابل کو جانیوالی لاری کو ٹھہرانے کا اشارہ کرتا رہا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے مجھے نیند آگئی۔ جب رحمت خاں نے مجھے جگایا تو شام ہو چکی تھی۔ ایک لاری سامنے کھڑی تھی۔

مجھے اس لاری میں بیٹھنے کیلئے کہا گیا۔ بیٹھنے کی جگہ پر صندوق پڑے ہوئے تھے۔ میں غور کر رہا تھا کہ کہاں بیٹھوں کلینر چلایا۔ کیا سوچتے ہو اُدہر آؤ۔ رحمت خاں نے میری مدد کرتے ہوئے ایک صندوق پر مجھے بٹھایا۔ میرا خیال ہے ہم جس صندوق پر بیٹھے تھے۔ وہ گیارہ بارہ فٹ اُونچا تھا۔ سڑک کے کنارے جو درخت تھے ان کی ٹہنیاں اتنی جھکی ہوئی تھیں کہ ہمیں اپنے آپ کو بچانے کیلئے جھک جانا پڑتا تھا۔ سردی کا موسم تھا۔ چاروں طرف وسیع میدان تھا۔ اور ہوا بھی تیز چل رہی تھی۔ یہاں تک کہ آنکھوں کا کھولنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس پر ہمارے پاس کوئی گرم کپڑا نہیں تھا۔ راستے میں میں نے رحمت خاں سے پوچھا۔ کیا اس سے اچھی لاری نہیں مل سکتی تھی۔ اس نے کہا کہ میں نے تقریباً پندرہ لاریوں کو کھڑے ہونے کا اشارہ کیا۔ لیکن ایک بھی نہیں رُکی۔ اگر ہم اس لاری پہ بھی سوار نہ ہوتے تو شاید رات جھنڈی میں ہی گذارنی پڑتی۔

وہ رات ہم نے لاری ہی میں گذاری۔ کئی مرتبہ اپنے آپ کو گرم کرنے کے

لئے چارپی اگر چار نہ ملتی تو ہمارا زندہ رہنا مشکل تھا۔ اگلے دن دوپہر کو سخت مصیبت اٹھانے کے بعد ہم خاک نام کی جگہ پر پہنچے۔ وہاں پر پاسپورٹ دیکھے جاتے ہیں۔ اور لاری والوں کی بھی تلاشی ہوتی ہے۔ وہاں پر جب ہمارے سفر کرنے کا مقصد پوچھا گیا تو رحمت خاں نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ میرا بڑا بھائی ہے۔ بچارا بہرہ اور گونگا ہے میں اسے سخی صاحب کی زیارت کے لئے لے جا رہا ہوں۔ ہم آزاد قبیلے کے رہنے والے ہیں۔ اس کے بعد اس نے لال پورہ والے خان کا رقعہ بھی دکھایا پھر ہم سے کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ ہم نے وہاں چارپی اور پھر ہم لاری پر سوار ہو گئے۔ تقریباً چار بجے ہم کابل پہنچے وہاں لاری والے کو ہم نے کرایہ دیا۔ افغانی نوٹ ہم نے پشاور سے ہی لے لئے تھے ۔" ——— !!

——— کابل پہنچکر، سبھاش بابو اپنے ساتھی سمیت ایک سرائے میں ٹھہرے۔ وہاں ایک افغان سی۔ آئی۔ ڈی والا پیچھے لگ گیا، آپ کے ساتھی نے کئی دفعہ رشوت دی، اور پیچھا چھڑانا چاہا، لیکن وہ دوسرے تیسرے روز آجاتا اور دھمکاتا ادھر روسی سفیر سے ملاقات کی مساعی ناکام ہو چکی تھیں، اٹلی کے سفیر سے راہ و رسم پیدا کی گئی وہ اپنی گورنمنٹ کے فیصلے کا انتظار دیکھ رہا تھا، اسی دوڑ دھوپ میں تیرہ روز گذر گئے، اور جب، سی۔ آئی۔ ڈی والے کے تعاقب سے خطرہ محسوس ہونے لگا، تو بھگت رام نے لالہ اتم چند کی دکان تلاش کی، وہ ریڈیو کی دوکان کرتا تھا، اس سے ملا، سبھاش بابو کا ذکر کیا وہ سوچ بچار کے بعد گھر لے جانے پر راضی ہو گیا،

سبھاش بابو نے اُتم چند کے استفسار پر بتایا:

"ہمیں یہاں آئے ہوئے تیرہ دن ہو گئے ہیں۔ میں نے پشاور ۱۶ر جنوری کو چھوڑا تھا۔ تین روز راستے میں لگے۔ جس وقت ہم یہاں پہنچے سخت سردی تھی۔ برف پڑ رہی تھی میں تو اس ملک سے ناواقف تھا ہی۔ رحمت خاں بھی ایسا ہی تھا آپ کو اس جگہ کا نام معلوم ہو گا جہاں لاری والے پولیس سے بچنے کے لئے تمام سواریوں کو اُتار دیتے ہیں۔ میرے خیال میں وہاں پر چنگی گھر بھی ہے۔ کیونکہ میرے سامنے ایک آدمی نے لاری کا تمام سامان دیکھا تھا اور کاغذ پر دستخط کرائے تھے۔ دستخط کے بغیر لاری آگے نہیں جا سکتی تھی۔۔۔۔ ۔۔۔۔ برف گرنے کی وجہ سے وہاں کوئی اور گاڑی وغیرہ بھی نہیں تھی اور اگر ہوتی بھی تو ہمارے کس کام کی ہمیں یہ بھی تو نہیں معلوم تھا کہ کہاں جانا ہے۔ کچھ فاصلہ پر آدمی دکھائی دئے۔ ہم اس طرف چل دئے۔ راستے میں برف اور کیچڑ کی بدولت کافی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ تھوڑی دیر بعد ہم ایک بازار میں پہنچے وہاں رحمت خاں نے ایک آدمی سے پوچھا کہ کیا کہیں قریب میں ٹھہرنے کے لئے کوئی جگہ ہے۔ اس آدمی نے قریب ہی ایک سرائے کی طرف اشارہ کیا۔"

"ہم بتائے ہوئے راستے پر گئے۔ وہاں پر اس وقت چار پانچ خالی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ دس بارہ اونٹ دس پندرہ گدھے اور کچھ گھوڑیاں بھی بندھی تھیں۔ اسے دیکھ کر مجھے تو ایسا معلوم ہوا جیسے یہ جگہ مسافروں کے لئے نہیں ہو سکتی اور بتانے والے نے ہمارے ساتھ مذاق کیا ہے۔"

سرائے میں جا کر ہم اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ ایک آدمی آتا ہوا نظر آیا۔ رحمت خاں نے اس سے پشتو میں سرائے کے منتظم کے بارے میں پوچھا۔ مگر اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ پشتو نہیں جانتا تھا۔ ہمارا خیال تھا کہ افغانستان کی مادری زبان پشتو ہے۔ مگر یہاں آکر معلوم ہوا کہ کابل شہر کی مادری زبان فارسی ہے اور پشتو بہت کم لوگ جانتے ہیں۔ رحمت خاں پشتو اچھی طرح جانتا تھا۔ اور فارسی اس کو نفی کے برابر آتی تھی۔"

"اتنے میں ہم نے دیکھا کہ اوپر کی منزل سے ایک آدمی نیچے آرہا ہے۔ رحمت خاں نے اس سے سرائے کے مالک کے متعلق دریافت کیا۔ بھلا ہو اس کا اس نے ہمیں ایک چھوٹی سی کوٹھری دکھائی، جو سرائے کے دروازے کے اندر کی طرف تھی۔ اس میں سرائے کا چوکیدار رہتا تھا۔ وہ رضائی اوڑھے پڑا تھا۔ اور اس کی شکل چینیوں سے ملتی جلتی تھی۔"

"چوکیدار نے ہمیں دیکھکر پشتو میں پوچھا کیا کام ہے، رحمت خاں نے جواب دیا۔ کہ ہم مسافر ہیں اور ایک رات ٹھہرنا چاہتے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ پشتو جانتا تھا۔ اس نے اوپر جا کر ایک کوٹھری دکھائی اور کرایہ ایک روپیہ افغانی بتایا۔ اس کوٹھری سے جیل کی پھانسی کوٹھری بہتر ہوتی ہے۔ اگر اس کے دروازے بند کردیں تو اندھیری رات اور دن میں کوئی فرق معلوم نہیں دے۔ پھر بھی اسوقت اس کوٹھری کے ملنے سے ہمیں خوشی ہوئی۔ سردی کافی تھی۔ اور ہمارے پاؤں جواب دے چکے تھے۔ میں نے رحمت کو چوکیدار سے

چارپائیوں کے متعلق معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ چوکیدار بہت خوش ہوا اور اس نے فی چارپائی نصف روپیہ افغانی مانگا اس کے بعد رحمت خاں لکڑی لینے بازار گیا لکڑی گیلی تھی اس سے کوٹھری میں دھواں بھر گیا۔ کوٹھری کا دروازہ ہم کھلا نہیں رکھ سکتے تھے۔ کیونکہ تیز ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ اس لئے دوبارہ بازار جاکر خشک لکڑیاں لانی پڑیں۔ اور تب جاکر ہم کچھ گرم ہوئے اور آنکھوں سے پانی نکلنا بند ہوا۔ شام کے وقت رحمت خاں بازار سے کچھ موم بتیاں روشنی کرنے کے لئے لے آیا تھا۔ ساتھ ہی وہ خشک روٹی اور کباب کے ٹکڑے بھی لے آیا تھا۔ جب میں روٹی نہیں کھا سکا تو رحمت خاں میرے لئے چار لایا۔ چار سبز تھی اور میں اس میں روٹی بھگو بھگو کر کھانے لگا نیند کافی لگ رہی تھی۔ کیونکہ پچھلی رات ہم نے جاگ کر کاٹی تھی۔ لیکن بستر نہ ہونے کی وجہ سے اچھی طرح نہ سو سکے۔ جب صبح ہوئی تو جسم کے تمام جوڑوں میں درد ہو رہا تھا۔ اور آنکھیں سوجھ گئی تھیں۔

ناشتہ کرنے کے بعد رحمت خاں دو چھوٹی چھوٹی رضائیاں دو پوستین کی صدریاں ایک کیتلی اور دو چھوٹی چھوٹی دریاں بازار سے لے آیا۔"

چھ دن پہلے رحمت خاں نے آکر کہا کہ نانبائی کی دکان پر ایک آدمی سفید کپڑے پہنے ہر وقت بیٹھا رہتا ہے۔ جب سے ہم آئے ہیں میں اس کو اسی دکان پر بیٹھا ہوا دیکھتا ہوں آج وہ مجھے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا میرا خیال ہے کہ وہ سی آئی ڈی کا آدمی ہے۔

ہم نے اپنا کھانا پینا ختم ہی کیا تھا کہ وہی سپاہی کوٹھری کے دروازے

کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور بڑے زور سے پشتو میں کہنے لگا۔ تم کون ہو؟
کہاں سے آئے ہو۔ یہاں پر کیا کام ہے۔"

میں پشتو نہیں جانتا تھا لیکن اسکی بات چیت کے لہجہ سے سمجھ گیا
کہ وہ ہمارے یہاں پر آنے کی وجہ معلوم کر رہا ہے۔ اس کے جانے کے بعد
رحمت خاں نے مجھے ساری بات بتائی۔ اس نے سپاہی کو جواب دیا تھا ہم
مسافر ہیں اور آزاد قبیلہ کے رہنے والے ہیں۔ یہ میرا بڑا بھائی ہے۔ گونگا اور
بہرا ہے بیچارہ بیمار ہے اسی لئے میں اس کو سیفی صاحب کی زیارت کے لئے
لایا ہوں۔ سیفی صاحب کے جانے کا راستہ برف باری کی وجہ سے بند ہو گیا
ہے اس لئے ہم یہاں پر ٹھہر گئے ہیں۔ راستہ کھلنے پر چلے جائیں گے۔"

یہ سنکر سپاہی کہنے لگا کہ "میں ان باتوں کو نہیں مانتا تم دونوں میرے
ساتھ کوتوالی چلو۔ سپاہی کے اس طرح بات کرنے پر ہمیں بڑا فکر ہوا۔ اور ہم
سوچنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے پیدا ہو گئی۔ آخر رحمت خاں ہمت سے
بولا۔

"کیوں مسافروں کو تنگ کرتے ہو سردی کی وجہ سے میرا بھائی تو چل بھی
نہیں سکتا کیا مسلمان کو تنگ کر کے ثواب ملتا ہے مگر سپاہی پر ان باتوں کا
کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر رحمت خاں نے ہمت کی۔ اور کہا چلو میں خود چلتا
ہوں۔ یہ تو بیمار ہے اس لئے نہیں جا سکتا۔"

رحمت خاں کے اس جواب پر سپاہی کچھ نرم ہو گیا۔ اور کہنے لگا: اچھا
اگر یہ بیمار نہ ہوتا تو میں تم دونوں کو کوتوالی لے جاتا چونکہ یہ بیمار ہے۔ اور

تم مسافر ہو مجھے تم پر رحم آتا ہے۔ یہاں سے جلدی جانے کی کوشش کرو۔"

رحمت خاں نے جواب میں کہا "اگر راستہ صاف ہو گیا تو ہم آج ہی چلے جائیں گے۔ اچھا خان" سپاہی نے کہا "جاؤ آرام کرو۔ آج سخت سردی ہے مجھے چائے کے لئے کچھ دیدو۔"

رحمت خاں نے اس کو دو روپے افغانی دئے' وہ چلتا بنا۔ تیسرے دن پھر وہ آ دھمکا۔ اس وقت کوٹھری میں میں اکیلا تھا۔ اس نے آتے ہی پشتو میں کچھ کہا۔ مگر میں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے آپ کو گونگا اور بہرہ بتایا۔ اس پر اس نے کچھ نہیں کہا۔ وہ کوٹھری کے آگے ٹہلنے لگا۔ دو چار منٹ بعد رحمت خاں آگیا۔ سپاہی اس کے ساتھ بڑی اچھی طرح پیش آیا۔ اور بولا "کیوں خاں ابھی تک سخی صاحب جانے والی لاری نہیں ملی؟"

رحمت خاں نے جواب دیا "اگر مل جاتی تو ہم یہاں پر ابھی تک کیوں بیٹھے رہتے۔ میں تو لاریوں والی سرائے سے ہو کر آ رہا ہوں۔" اس مرتبہ اس کو چار کے لئے پانچ افغانی روپے دینے پڑے۔

" سپاہی کے جانے کے بعد میں نے رحمت خاں سے کہا کہ اس سے جلدی جان چھڑانی چاہئے۔ سپاہی لالچی معلوم ہوتا ہے۔ ہم کب تک اس کو چپاتے رہیں گے۔"

رحمت خاں نے کہا "جان تو جب ہی چھوٹ سکتی ہے جب ہم دوسری سرائے میں چلے جائیں۔"

لیکن اگر وہاں بھی اس کو یا اس کے کسی بھائی کو معلوم ہو گیا۔ تو کیا ہو گا" میں نے کہا۔ رحمت خاں کے پاس اسکا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ خاموش ہو گیا" تب میں نے اس کو آپ کو تلاش کرنے کے لئے کہا اور سوچا کہ شاید آپ سے کچھ مدد ملے۔ رحمت خاں نے آپ کے متعلق پہلے ہی بتا دیا تھا۔ مگر اس نے اتنا ہی کہا تھا۔ کہ آپ نوجوان بھارت سبھا کے سکرٹری تھے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں قید ہوئے تھے۔ اور آپ کے چچا کی شادی اس کے گاؤں میں ہوئی ہے"

"دو دن میں اس نے آپ کی دکان تلاش کی۔ جب میں نے اس سے آپ کی نہ ملنے کی وجہ معلوم کی تو وہ کہنے لگا کہ مجھے شرم آتی ہے۔ ایک تو میں ان کی شکل سے واقف نہیں ہوں اور دوسرے وہ ہمارے بارے میں کیا سوچیں گے کہ بغیر انتظام کئے سیاسی مفرور کے لئے پشاور سے چل پڑے اس کی ان باتوں سے مجھے بڑا غصہ آیا۔ اور میں نے اس سے کہا کہ کیوں تم سوچتے ہو کہ ہم گرفتار ہو جائیں کم سے کم اتنا معلوم کر آؤ کہ اتم چند یہاں پر ہیں یا نہیں"

"دوسرے دن ہم ناشتہ کر رہے تھے کہ وہ سپاہی پھر آ گیا آتے ہی اس نے رحمت خاں کو سلام کیا۔ اور اس مرتبہ وہ سیدھا آ کر چارپائی پر بیٹھ گیا۔ اور دریافت کرنے لگا کیا وجہ ہے کہ آپ ابھی تک سخی صاحب کی زیارت کے لئے نہیں گئے؟"

رحمت خاں نے جواب دیا "کس طرح جائیں نزدیک مقام تو ہے نہیں

جو پیدل ہی چلے جائیں۔ لاری کوئی ملتی نہیں ہم کیا کریں۔ ہم تو خود اِس جگہ سے تنگ آ گئے ہیں۔"

سپاہی بولا" لاری کیوں نہیں ملتی کل شام کو جب میں یہاں سے گیا ہوں تو سرائے عبد الرحمٰن کے اڈے پر معلوم ہوا کہ کل ہی ایک لاری گئی ہے۔ ڈاک کی لاری تو ہفتہ میں دو مرتبہ جاتی ہے۔"

رحمت خاں نے کہا" میں کل بھی معلوم کرنے گیا تھا۔ مجھے تو کسی نے لاری لے جانے کے متعلق نہیں کہا۔ ڈاک کے متعلق مجھے علم نہیں کہ وہ بھی اڈے سے جاتی ہے۔ آج میں پھر جاؤں گا۔ اگر ڈاک یا کوئی اور لاری مل گئی تو ہم آج چلے جائینگے۔"

اس پر سپاہی نے کچھ رُخ بدلتے ہوئے کہا میں تمہیں پانچ چھ دن سے دیکھ رہا ہوں آج میں نے اپنے تھانیدار سے بات کی تھی اُنہوں نے حکم دیا ہے کہ میں تم دونوں کو ان کے پاس لے چلوں جلدی سے چارپائی لو۔ اور میرے ساتھ چلو۔"

" اس کی گفتگو سے ہم دونوں سمجھ گئے تھے کہ روپیہ لینا چاہتا ہے۔ اور تھانیدار کا نام صرف ہمیں ڈرانے کے لئے لیتا ہے۔"

رحمت خاں بولا" ہم لوگ تو مسافر ہیں پھر بھی اگر آپ کو تنگ کرنا ہے تو میں چارپائی کر آپ کے ساتھ چلتا ہوں میرے بھائی کی ٹانگوں میں سخت درد ہے وہ نہیں چل سکے گا۔"

اس پر سپاہی سختی سے بولا" یہ نہیں ہو سکتا میں تم دونوں کو لے کر جاؤنگا۔

گونگا بہرا ہوگا مگر چلنے میں اس کو کیا تکلیف ہو سکتی ہے"

"رحمت خاں بھی جانے کے لئے تیار نہیں تھا یہ بات تو اس نے سپاہی کو نرم کرنے کے لئے کہی تھی۔ مگر جب اس نے سپاہی کا سخت لہجہ سُنا تو پانچ روپیہ کا نوٹ بڑھاتے ہوئے کہا "جب میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تو اس کی کیا ضرورت ہے"

سپاہی نے نوٹ کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا " میں پانچ روپے پر پھسلنے والا نہیں ہوں۔ پانچ روپے کی بھی کوئی قیمت ہوتی ہے۔ تھانیدار صاحب کا حکم بھی نہ مانوں اور پانچ روپے لوں یہ نہیں ہو سکتا۔ رحمت خاں نے پانچ روپے کا نوٹ اور نکالا لیکن سپاہی نے اس کو بھی کم بتایا۔ آخر ستره روپے پر فیصلہ ہوا" (افغانی سپاہی کی تنخواہ بیس روپے ہوتی ہے۔ جو کہ ہندوستانی سکّے کے حساب سے چھ روپے ہوتی ہے)

روپے لیکر سپاہی نے کہا اچھا آج تو میں تم سے کچھ نہیں کہتا لیکن بہتر ہوگا کہ تم یہاں سے کل ہی چلے جاؤ۔ اگر کل نہیں گئے تو مجبور ہو کر مجھے تمہیں تھانیدار کے پاس لیجانا پڑیگا"

رحمت خاں نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا میں ابھی لاری کے بارے میں پوچھنے جاتا ہوں۔ اگر جانے والی کوئی لاری ملی تو آج ہی چلے جائیں گے"

" میں نے اپنی گھڑی رحمت خاں کو دیکر کہا تھا کہ جب میں نے اپنے آپ کو بہرہ گونگا بنا رکھا ہے تو یہ ٹھیک نہیں کہ اپنی کلائی پر گھڑی باندھوں روپے کے نکالتے اور دیتے وقت سپاہی نے رحمت خاں کی کلائی

پر گھڑی دیکھ لی۔ اور اسے دیکھنے کے لئے مانگی۔ رحمت خاں نے اپنی کلائی اس کے آگے کر دی۔ اس پر وہ بولا یہ گھڑی تو مجھے عمدہ لگتی ہے کتنے کی ہوگی ؟" رحمت خاں نے جواب دیا "گھڑی معمولی ہے۔ اور اسکی قیمت اب مجھے نہیں معلوم۔ اسپر سپاہی نے للچائی ہوئی نظروں سے گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا" خان روپے تو تم نے بہت کم دئے ہیں۔ یہ گھڑی بھی مجھے دے دو مجھے یہ بہت پسند ہے۔ کوئی چارہ نہیں تھا۔ گھڑی دینی پڑی ۔"

" سپاہی کے چلے جانے کے بعد میں نے رحمت خاں کو آپ کے پاس جانے کے لئے مجبور کیا۔ مگر وہ جلدی ہی واپس آگیا۔ اور بولا کہ دکان بند ہے۔ دو مرتبہ پھر گیا۔ اور دکان بند دیکھ کر لوٹ آیا۔

کل تو بہت کچھ غور و فکر کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ بغیر آپ کی مدد کے اس آدمی سے چھٹکارا نہیں مل سکتا۔ آج صبح رحمت خاں آپ کے پاس آنے کے لئے تیار تھا کہ وہ خبیث پھر آپہنچا۔ اس وقت مجھے بڑا غصہ آیا۔ اور موقعہ نازک دیکھ کر میں چپ رہا۔ آتے ہی اس نے کہا خاں جو گھڑی تم نے مجھ کو دی تھی۔ وہ تھانیدار صاحب نے لے لی ہے۔ پوچھتے تھے کہ یہ گھڑی کہاں سے لی ہے۔ میں نے بہانا کر دیا کہ میرے بھائی کی ہے ان کو شک تو پڑ گیا تھا۔ مگر میں یہی کہتا رہا کہ میرے بھائی کی ہے۔ تم لوگوں کی بابت وہ دریافت کر رہے تھے میں نے کہہ دیا کہ وہ سرائے چھوڑ کر چلے گئے ۔"

" خان گھڑی تو بہت عمدہ تھی۔ تم نے تھانیدار کو کیوں دے دی ؟" ۔

رحمت خاں نے پوچھا۔

"اس وقت سپاہی نے تھانیدار کو پانچ سات گالیاں سنائیں اور کہا کہ ابھی جا کر اپنی گھڑی واپس لیتا ہوں۔ جاتے ہوئے وہ بولا آج میری جیب میں ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔ اگر تمہارے پاس پانچ کا نوٹ ہو تو قرض دے دو۔ میں کل واپس کر دونگا۔ رحمت خاں جانتا تھا کہ روپے کون واپس کرتا ہے۔ چپکے سے پانچ کا نوٹ نکالکر اس نے سپاہی کے ہاتھ پر رکھدیا۔

سپاہی کے جانے کے بعد رحمت خاں چوکیدار کے پاس گیا۔ اور بولا اس سپاہی نے ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے آج ہم کسی دوسری سرائے میں جگہ تلاش کرینگے۔ اس پر چوکیدار بولا یہ سپاہی بہت حرامی ہے۔ ابھی ابھی اس کو میں نے بہت کچھ کہا سنا ہے۔ اب وہ آپ کو تنگ نہیں کریگا اس کے بعد رحمت خاں آپ کے (لالہ اتم چند) پاس آیا۔ اور ہم لوگ آپکے پاس آ گئے۔ !"

**برلن کو روانگی:-** جہاں تک کلکتہ سے روانگی، راستے کے ٹھہراؤ، اور کابل پہنچکر سرائے کی اقامت گزینی کا سوال تھا وہ کہانی من وعن سبھاش بابو کی زبانی لالہ اتم چند کی کتاب سے نقل کر دی گئی ہے! کابل سے باہر جانے کے لئے آپ نے کیا کیا جتن کئے اس کا خلاصہ اتم چند کی روایت کے مطابق یوں ہے:

(۱) سبھاش بابو ماسکو جانے کیلئے انتہائی آرزومند تھے لیکن بہت سی

کوششوں کے باوجود روسی سفیر سے ملاقات کا انتظام نہ ہو سکا ایک روز روسی
سفارت کے دروازے پر ہاتھ دبکر سفیر کی کار روک لی، اور مدعا بیان کیا اُس نے سنا
اور آپ کے رفیق سے پوچھا اسکا ثبوت کیا ہے کہ وہی سبھاش بابو
ہیں ؟

(۲) ایک دفعہ از خود روسی سرحد تک پہنچنے کا پلان بنا لیا لیکن اسی روز
برلین کو روانگی کی تاریخ آ گئی اور ارادہ فسخ کر دیا۔

(۳) بہ امر مجبوری اٹلی کی سفارت سے تعلقات پیدا کیئے گئے تھلمس
نامی ایک جرمن جو افغانستان میں کئی فرموں کا مالک تھا باہمی خط و کتابت
کا ذریعہ بنا۔ پھر اٹلی کے سفیر کی بیوی نامہ و پیام کا وسیلہ بنی رہی ۲۶ روز
انتظامات میں لگ گئے ۱۸ر مارچ کو آپ برلین کیلئے روانہ ہو گئے ۲۷ر کو
ماسکو اور ۲۸ر کو برلن پہنچ گئے۔

**ہٹلر سے ملاقات:۔** برلین کی ملاقاتوں اور ان کے مذاکرات کا نقشہ بتانا محال ہے البتہ ظن و تخمین کے سہارے جزوی تاریخ پیدا
کی جا سکتی ہے اور گرد و پیش کے معلوم واقعات کی تہہ سے گمشدہ کڑیاں بھی
نکالی جا سکتی ہیں لیکن اس وقت تک حالات کے جو دھارے ملے ہیں
ان سے صرف اتنا پتہ چلا ہے کہ برلن اور ہمبرگ کے ایک فوجی مقام پر
ہٹلر سے آپ کی ملاقات ہوئی اور اسی روز جرمن کے محکمہ خارجہ نے آپ کو
ڈپٹی فیورر آف انڈیا کا خطاب دے دیا۔ کسی نامعلوم جگہ پر مسولینی اور
کاؤنٹ چیانو سے بھی آپ کا میل ہوا اور اٹلی میں آزاد ہند لیگ کی

بنیاد ڈالی گئی۔

**آزاد ہند فوج کا تصوّر:۔** دس ماہ تک آپ نے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کیا، اور مختلف محاذوں کی سیر کی، سٹالن گراڈ کے مورچے پر گئے وہاں سے تاثرات اکٹھے کئے بعض گرفتار ہندوستانی افسروں سے ملے ان سے مبادلۂ افکار کیا، اور اپنے فوجی پلان کی بناوٹ پر سوچا۔ معاملات کے اُتار چڑھاؤ کو جانچا پیش آئندہ حالات کو تجزیاتی نگاہ سے دیکھا، اور جب دماغ بقینی درجہ کو پہنچ گیا تو ۲۶ر جنوری ۱۹۴۲ء کو آزاد ہند فوج کا اعلان کر دیا۔ پہلی اُٹھان ہی میں پندرہ سو ہندوستانی سپاہی اور افسر ساتھ ہو گئے کہا جاتا ہے کہ اس فوج نے آزمائشی طور پر ہالینڈ، بلجیم، اٹلی اور فرانس کے معرکوں میں حصہ لیا، اور خاصی ناموری پیدا کر لی۔

آپ جرمنی اور روس کی جنگ کے حق میں نہ تھے آپ کی خواہش تھی کہ ان میں سمجھوتہ ہو جائے لیکن بقول شاعر ؎

جو کبھی پوری نہ ہو وہ آرزو ہے اور کیا

**سقوطِ سنگاپور:۔** ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو سنگاپور پر جاپانیوں کا قبضہ ہو گیا ۹ر مارچ کو ملایا کے ہندوستانی باشندوں کی ایک مجلس مشورت ہوئی۔ ہندوستان کی آزادی کے سوال پر ٹوکیو کو ایک دوستانہ مشن بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا ۲۸ سے ۳۰ر مارچ تک ٹوکیو میں اسی غرض سے مسٹر راش بہاری کی زیر صدارت ایک کانفرنس ہوئی، اور آزاد ہند تحریک چلانے کا فیصلہ ہوا ساتھ ہی آزاد ہند فوج کے قیام کی تجویز بھی منظور کی گئی۔

۱۵ر سے ۲۳ر جون تک بنکاک میں مشرقی ایشیا کے تمام ہندوستانیوں نے اجلاس کیا اور آزاد ہند فوج کے قیام و مقصد کی تفصیلات کے علاوہ چند ایک اہم قراردادیں منظور کیں، اگست کے مہینے میں اس فوج کی کمان جنرل موہن سنگھ کو سونپی گئی آپ، اس فوج کے پہلے کمانڈر اور بانی تھے۔

**اختلاف کی رونمائی:-** ابھی چند دن ہی بیتے تھے کہ، جاپانی افسروں کی غرضمندی راش بہاری بوس کے دائرہ کار اور جنرل موہن سنگھ کے لائحہ عمل میں ٹکر ہو گئی، کافی عرصہ کھٹا کھینچ کی فضا قائم رہی، ادھر ۲ر جولائی کو سبھاش بابو سنگاپور پہنچ گئے راش بہاری صدارت سے الگ ہو گئے اور سبھاش بابو نے صدارت سنبھال لی، ۵ر جولائی کو آزاد ہند فوج نے پہلا عسکری مظاہرہ کیا۔ ۲۱ر اکتوبر کو آزاد ہندوستان کی عارضی حکومت کا اعلان کر دیا گیا۔ سبھاش بابو نے آزاد ہند حکومت کے مقتدر اعلیٰ کی حیثیت میں ملک کے نام ایک پیغام نشر کیا اُس کا نچوڑ تھا۔

"اس وسیع دنیا میں ہندوستان کا ایک اور فقط ایک ہی دشمن ہے جو ایک صدی سے اس کے خون کو چوس رہا ہے اور وہ ہے ــــ "برطانوی سامراج" آپ نے اس بڑے دشمن کیخلاف اپنے عزائم کا اظہار کیا اور کہا ــــ "تم مجھے خون دو میں تمہیں آزادی دوں گا۔"

اس آواز نے برطانوی فوج کے محبوس و غیر محبوس ہندوستانی نوجوانوں کو برباد یا وہ غیر ملکی وادیوں میں "ترنگے" کی آڑانوں کے محافظ بن گئے۔

اور سر دھڑ کی بازی لگا دی، نئی معرکے ہوئے انگریزی فوج نے بار ہا ہزیمت اُٹھائی لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا اپریل ۱۹۴۵ء کو جرمن فوجوں نے ہتھیار ڈال دیئے محوریوں کی ہوا اُکھڑ گئی اور جاپانی سراسیمہ سے ہو گئے ۶ر اگست کو ایٹم بم کی ہولناک تباہی نے جاپان کو بھی ہرا دیا۔

ان آثار کی رونمائی نے آزاد ہند فوج کا شیرازہ بھی بکھیر دیا۔ آزاد ہند گورنمنٹ کے دفتر اپریل ہی میں بنکاک چلے گئے تھے اور سبھاش بابو نے بھی برما کو چھوڑ دیا تھا، ہندوستان کی سرحد پہ جاں سپاروں کا یہ لشکر دو چیزیں چھوڑ کر پسپا اور گرفتار ہو گیا ——— **آنسو اور خون کی بوندیں**

**سبھاش بابو کی پرواز:-** ۱۷ر اگست ۱۹۴۵ء کو سبھاش بابو، اپنے نائب کرنل حبیب الرحمٰن اور دوسرے جاپانی افسروں کی ہمراہی میں سنگاپور سے ٹوکیو جا رہے تھے کہ آپ کے جہاز کو تھائی کو کو (فارموسا) کے ہوائی اڈے پر آگ لگنے کا حادثہ پیش آ گیا، کرنل حبیب الرحمٰن کے چہرے کا بایاں حصہ اور ہاتھ جھلس گئے سبھاش بابو کو شدید ضربات پہنچیں اور آپ زخموں کی تاب نہ لا کر جاپانی نیوز ایجنسی کی اطلاع کے مطابق ایک جاپانی ہسپتال میں آدھی رات کے وقت رحلت کر گئے ہندوستان میں اس خبر کو گہرے تاثر سے سنا گیا۔ جواہر لال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ——— ہندوستان کی اجتماعی خواہش انہیں اب تک زندہ دیکھ رہی ہے۔

**زندہ باش:-** سبھاش بابو کی زندگی و موت کا سوال معمہ بن گیا ہے، چونکہ آپ کئی دفعہ چھپے اور ظاہر ہوئے ہیں، اور آپکے سوانح زندگی

ہیں، ایسے کئی شواہد ملتے ہیں جن سے عمومی آرزوں کو تقویت پہنچتی ہے، اس لئے لوگ آپ کی زندگی کے بارے میں پر یقین ہیں، اس کے علاوہ اور کئی وجوہ بھی ہیں جو عوامی ذہن کا ساتھ دیتے ہیں مثلاً

(۱) ایک دفعہ پہلے بھی غالباً ۱۹۴۴ء کے آغاز میں جاپان نے آپ کی ہوائی موت کا اعلان کیا تھا۔

(۲) جس قسم کے تاریخی کردار میں آپ نے حصہ لیا ہے لوگ طبعی طور پر موت کی خبر کو روپوشی سے تعبیر کرتے ہیں۔

(۳) آزاد ہند فوج کے اعلیٰ افسروں کا تصریحی واقفیت بہم پہنچانے سے اعراض۔

(۴) اخباروں کی متضاد اطلاعات۔

گاندھی جی نے شروع شروع میں کہا کہ سبھاش بابو زندہ ہیں۔ لیکن کرنل حبیب الرحمٰن سے ملاقات کی تو ہر یجن میں لکھا کہ وہ زندہ نہیں ہیں، کرنل حبیب الرحمٰن ابھی اپریل ۱۹۴۶ء کے وسط میں رہا ہوئے ہیں۔ ان سے پوچھا گیا تو آپ نے قطعی جواب دینے سے اعراض کیا صرف اتنا کہا کہ میں بھی آپ کی طرح انہیں زندہ دیکھنا چاہتا ہوں، مزید دریافت کیا گیا تو کہا ٹھہریئے چند دن تک اصلی حالات کا علم ہو جائے گا ایک دو دفعہ اخباروں میں مدراسی نامہ نگاروں کی اطلاعات چھپیں کہ اس طرف ایک ایسے شخص کو ریل کے سفر میں دیکھا گیا ہے جو آپ سے مشابہ تھا اور غالباً سبھاش بابو ہی تھے۔

۲۴ رمئی ۱۹۴۶ء کو شری سرت چندر بوس نے یونائیٹڈ پریس کے نمائندہ

کو بتایا کہ انہیں ایک امریکن جرنلسٹ نے اطلاع دی ہے کہ امریکی جاسوسوں کی اطلاع کے مطابق سبھاش بابو زندہ ہیں مگر کرنل حبیب الرحمٰن جو کچھ مجھے بتا چکے ہیں اس کے پیش نظر مجھے اطلاع کی سچائی میں شبہ ہے۔

یکم رجون ۱۹۴۶ء کے اخبارات میں شکاگو ٹریبیون (امریکہ) کے نامہ نگار مسٹر الفریڈ وایگس کی اطلاع چھپی ہے کہ فارموسا کے ہوائی حادثہ کی کہانی غلط ہے۔ سبھاش بابو اپنی مبینہ موت کے چار دن بعد مہار جینی میں دیکھے گئے۔ اور برطانوی حکومت کو بھی اپنی خفیہ اطلاعات کے باعث آپ کی موت کا یقین نہیں ہے۔

الغرض آپ کی زندگی و موت کا معاملہ برطانوی سراغ رسانی اور عوامی عقیدت کا محور بنا ہوا ہے اور آئے دن اس کہانی میں ایک نیا عنوان ابھر آتا ہے امید و بیم کے اس دوراہے پر داغ کا یہ مصرع کتنا برمحل معلوم ہوتا ہے کہ ؎

تو سلامت رہے او روز کے مرنے والے

# شاہراہِ انقلاب

حالات پیدا نہیں کیے جاتے بلکہ بعض تاریخی ضرورتیں انہیں پیدا کرتی ہیں راہنما جو انہی حالات کا مظہر ہوتے ہیں اپنی دماغی صلاحیت کے رنگ و روغن سے انہیں تاریخ بنا دیتے ہیں۔

سراغ لگائیں تو ہم ہر جد وجہد کا پس منظر دور تک تلاش کر سکتے ہیں۔
انسانی زندگی کی طرح ہر تحریک کی بھی ایک عمر ہوتی ہے اور جس طرح عمر مختلف مرحلوں سے گذر کر اپنی منزل کو پہنچ جاتی ہے اسی طرح تحریکیں بھی اپنے سفر حیات میں انہی مدارج سے گذرتی ہیں۔
ہندوستان میں برطانوی راج سے پیچھا چھڑانے کی جنگ ایک عرصہ سے جاری رہی ہے اس کی متعدد حیثیتیں ہیں، لیکن آسانی کیلئے ہم اسے دو حصوں میں تقسیم اور معین کر سکتے ہیں ایک دستوری دوسری معذوری،
دستوری محاذ سے مراد کانگرس کی وہ مسلسل جدوجہد ہے جو اس نے اپنے انقلابی مزاج و مقصد کے باوجود غیر انقلابی ہتھیاروں، اہنسا" اور ستیہ گرہ" سے لڑی ہے،
انقلابی محاذ میں وہ طریقے استعمال کئے جاتے ہیں، جو قوت کے مقابلہ میں قوت پر یقین رکھنے سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کی مثالیں تاریخ عالم کے

صفحوں میں بکثرت مل جاتی ہیں۔

ہندوستان میں انقلابی محاذ کے دو ماخذ رہے ہیں۔ **بیرونی اور اندرونی۔** اندرونی محاذ میں وہ ساری تحریک سمٹی پڑی ہے جس کو ملک میں نوجوانوں کے مشتعل جذبات نے پیدا کیا اور وقتی بہاؤ نے عارضی طور پر ان کا ساتھ دیا۔

بیرونی محاذ، اُن بین الاقوامی حالات کی سرگذشت سے متعلق ہے جن حالات سے بعض جلاوطن ہندوستانی انقلابیوں نے بیرونی حکومتوں کے سہارے فائدہ اُٹھانا چاہا، اسکا ابتدائی خاکہ امریکہ کی غدر پارٹی اور تازہ انتہائی صورت آزاد ہند فوج کے معرکے ہیں۔

**اندرونی محاذ:۔** اگر مفہوم کی مذکورہ بالا شرح کو ذرا وسیع کر لیا جائے تو ہم اس میں ۱۸۵۷ کی وہ زہرہ گداز داستان بھی شامل کر سکتے ہیں جو حالات کی قدرتی سیل کے ساتھ اُبھری، اور بہادر شاہ ظفر کی ذات کو مرکز بناکر، غیر ملکی موجوں سے کھیلی، لیکن جسکی ہر موج اضطرار خود اپنے لئے ہی زنجیر بن گئی۔

سلطنت مغلیہ کی شمع کے بجھتے ہی غیر ملکی اندھیرا مدت تک چھایا رہا۔ احتجاج کی زبان کھلی نہیں کہ کٹی نہیں، رُبع صدی تک حالات کی جبیں سے ترشی نہ گئی طبائع میں اشتعال تھا لیکن جذبی طور پر نہ کبھڑکا۔ نہ بجھا۔ البتہ سلگتا رہا۔

**مہاراشٹر و بنگال:** ۱۸۹۵ء میں دامودر اور بالکرشن دو نوجوانوں سے مہاراشٹر

ہیں اپنے انقلابی مقاصد کی کارفرمائی کیلئے جیلیر ایسوسی ایشن بنائی، جماعت کا ذہن مذہبی تھا لیکن قدم انقلابی اخبار مرہٹہ کی تحریروں ۱۸۹۵ء کے قحط اور ۱۸۹۶ء کی طاعون نے اس ذہن کو انقلابی ڈگر پر لاکھڑا کیا، کئی حادثے رونما ہونے لگے آخر دمودر اور اس کے بعض ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔

بنگال نے اس خو بو کا اثر جلد ہی قبول کر لیا گویا وہ پہلے ہی اس کے لئے آمادہ تھا ایک نوجوان بار بند و گھوش نے دو انقلابی جماعتوں، موسوم بہ "جگانتر" اور "نوشیلین" کی بنیاد ڈالی، ان انجمنوں نے صوبے کی چار دیواری کے پیچھے پیچھے ہیں سازشوں کا جال بچھا دیا، حکومت بیحد پریشان ہوئی۔ "مانک ٹولہ" سازش کیس چلایا گیا، بار بند و گھوش سربراہ ملزم تھا۔

۱۹۰۵ء میں لارڈ کرزن کی سیاسی ضرورت نے تقسیم بنگال کا اعلان کیا اس پر بنگالی نوجوان بھڑک اٹھے صوبے کے چاروں جانب "دہشت زندگی" بڑھی، ۱۹۱۱ء میں حکومت نے پہلی دفعہ دہلی دربار میں انفرادی دہشت پسندی کے آگے بالواسطہ ہتھیار رکھدیا، یعنی تقسیم بنگالہ کی منسوخی کا اعلان کیا گیا، منچلے نوجوانوں نے دہلی دربار کو بھی اپنے اقدام کی جولاں گاہ بنا لیا شاہی جلوس جا رہا تھا کہ لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکا گیا، کہا جاتا ہے کہ مسٹر راش بہاری بوس جو اس کے محرک تھے، وہیں غائب ہو گئے۔

دہشت پسندی کا یہ جذبہ پنجاب میں بھی لو دینے لگا، ۱۹۰۷ء میں سردار اجیت سنگھ جو بھگت سنگھ کے چچا تھے، لالہ لاجپت رائے کے ساتھ جلاوطن کیے گئے اور آجکل گرفتار ہو کر برطانوی حکام کی قید میں ہیں۔ اس جذبے کے ہمنوا بن گئے انھوں نے بھارت ماتا"

کے نام سے ایک انقلابی جماعت بنائی اور اس نام ہی سے صوفی انباپرشاد کی زیر ادارت ایک اخبار نکالا' اخبار اور جماعت دونوں سے اس تحریک کا تبلیغی مقصد پورا کیا گیا'

۱۹۲۱ء میں کانگرس تحریک' چوراچوری کے واقعہ کی بنا پر گاندھی جی نے ترک کر دی تو ملک میں انقلابی ذہن بڑی تعداد میں موجود تھا' تھوڑا عرصہ گذار کر کاکوروی کیس اس ذہن کا مظہر اتم بن گیا' ملزموں پر الزام تھا کہ اُنہوں نے چلتی گاڑی سے خزانہ لوٹا' اشفاق اللہ اور شو پرشاد بسمل پھانسی پا گئے' مسٹر جوگیش چیٹرجی (جو جے پرکاش نارائن کے ساتھ ہزاری باغ جیل سے بھاگے تھے) ستندر ناتھ سانیال' اور دوسرے ملزموں کو عمر قید کی سزا ہوئی'

پنجاب میں نیشنل کالج کے بعض فارغ التحصیل طلبہ نے "نوجوان بھارت سبھا" کی بنا ڈالی' اور اسکی بنیادوں پر دہشت پسندی کی ایک مضبوط عمارت کھڑی کی' بھگت سنگھ' سکھدیو' راجگورو' اسی جماعت کی یادگار تھے۔

ان نوجوانوں نے اپنے اقدامات اور مقدمات سے ہندوستان میں انار کی کو سیاسی تحریک کے ایک دور کی صورت میں نمایاں کر دیا' اور انقلابی حادثے روزمرہ کی چیزیں بن گئے۔

گڑھوالی سپاہیوں نے قصہ خوانی بازار پشاور میں ایک نہتے جلوس پر فائرنگ کرنے سے انکار کر دیا اور عمر قید ہو گئے' اس قتل عام کا حکم دینے والے برطانوی افسر کو حبیب نور نامی نوجوان پٹھان نے اسکی کوٹھی پر گولی سے ہلاک کر دیا' اور دوسرے ہی دن اس کو سزائے موت دے دی گئی۔ ڈھاکہ

کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ پر دو انقلابی لڑکیوں نے گولی چلائی، لاہور میں کچھ عرصہ ٹھہر کر گورنر شوٹنگ کیس کی صدا گونجی اور چارسدہ کا ایک نوجوان ہری کشن تختہ دار پر چڑھ گیا۔

مقدمہ سازش میرٹھ (۱۹۲۹ء) بھی اس انقلابی تحریک کا ایک تاریخی دھارا تھا جس سے اس ذہن و فکر کو اپنے مقصد میں بیحد تقویت پہنچی۔
۱۹۳۲ء کے آخر میں اس تحریک کے برگ و بار جھڑنے لگے اور جب ۱۹۳۴ء میں جے پرکاش نارائن کی فکری گھلاوٹ نے کانگرس سوشلسٹ پارٹی کا تشکیل دیا تو انقلابی ذہن اپنے پرانے راستے سے دستبردار ہو رہا تھا۔
جے پرکاش نے اس ذہن کو سائنٹفک انقلاب کے مارکسی پرچم تلے جمع کرنا شروع کر دیا حتیٰ کہ دوسری عالمگیر جنگ (۱۹۳۹ء) کا زمانہ آ لگا۔
آغاز جنگ کے ایام میں ایک پنجابی نوجوان سردار اُدھم سنگھ نے سر مائیکل اڈوائر سابق لفٹننٹ گورنر پنجاب کو لندن پہنچکر ایک پبلک جلسہ میں گولی سے ڈھیر کر دیا۔ اس واقعہ سے ہندوستان میں ایک تحیر تو پیدا ہوا لیکن ملک کا اجتماعی ذہن اب انقلاب کی مجموعی رفتار کے انتظار میں تھا۔
سبھاش بابو اس مقصد کے لئے کانگرس کا دروازہ کھٹکھٹاتے رہے اور جے پرکاش نارائن حالات کی تنظیم میں لگا رہا۔
اکتوبر ۱۹۳۹ء میں کانگرسی وزارتوں نے استعفیٰ دے دیا اور بہار کی حکومت نے آپ کو گرفتار کر لیا۔

**جے پرکاش نارائن:۔** جے پرکاش بہار کے ایک کسان گھرانے کا

چشم و چراغ ہے، اس نوجوان نے جواب ۱۹۴۲ء کی تحریک کے اندرونی انقلاب
کا ہیرو سمجھا جاتا ہے اپنی زندگی خود تعمیر کی ہے عدم تعاون کے زمانے میں
آپ نے یونیورسٹی کا وظیفہ اور کالج چھوڑا اکتوبر ۱۹۲۲ء میں تکمیل تعلیم کیلئے
کیلیفورنیا (امریکہ) کا عزم کیا، وہاں پہنچکر ایک باغیچہ میں پھلوں کی ٹوکریاں
گننے اور چھانٹنے پر نوکری کرلی، ہفتہ میں چھ دن اور روزانہ دس گھنٹے کام
کرنا ہوتا تھا، چودہ روپے ایک دن کا معاوضہ تھا اس موسم میں آپ نے
اسّی ڈالر جمع کرلئے اور یونیورسٹی میں داخلے کے لئے برکیلے چلے گئے، ایک علیحدہ
کمرہ کرایہ پر لے لیا وہاں صبح و شام کی روٹی خود ہی پکاتے، کچھ عرصہ پڑھا تو
جیب خالی ہوگئی، پھر آئیوا یونیورسٹی میں اُٹھ آئے، یہاں اخراجات نسبتاً تین
حصے کم تھے آڑوؤں کے باغیچے میں کام کرتے جس سے اخراجات بآسانی پورے
ہوجاتے پھر وسکونسن یونیورسٹی جانے کی ٹھانی اور چلے گئے اس کی آب و ہوا
میں غریبی کا احساس جاگا، مارکسی تصنیفات کا مطالعہ شروع کردیا اور رفتہ رفتہ
کٹر سوشلسٹ بن گئے۔

آٹھ برس امریکہ میں رہے، خود کمایا اور خود ہی پڑھا۔ پانچ جامعات میں
تعلیم حاصل کی، ریاضی، عمرانیات، طبیعات، حیوانیات، نفسیات اور اقتصادیات
میں ملکہ پیدا کیا، اور تعلیمی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے کبھی باغیچوں میں مزدوری
کی، کبھی مربہ سازی کے کارخانے میں گٹھے باندھے کبھی لوہا بنے اور کبھی
ہوٹلوں میں خدمتگار کا کام کیا، آٹھ سال گذار کر واپس آئے تو جواہر لال نہرو
نے آپ کو انڈین نیشنل کانگریس کے محکمہ مزدور کا نگران بنا دیا، اور پھر سول نافرمانی

کے زمانے میں قائمقام جنرل سکریٹری بن گئے۔

سنٹرل جیل ناسک سے ۱۹۳۳ء میں رہا ہوئے تو ایک مصفا سوچ بچار کے بعد، جسمیں اچوت پٹوردھن مسٹر مسانی اور دوسرے احباب کا احساس فکر بھی شامل تھے، کانگریس سوشلسٹ پارٹی کا ذہنی خاکہ سامنے لائے اور اسکی بنیاد رکھی، آچاریہ نریندر دیوجی کی صدارت میں اسکا پہلا اجلاس پٹنہ میں منعقد ہوا، بہت سے اہم فیصلے کئے گئے، ان میں صوبائی تنظیم کا معاملہ بھی تھا، جے پرکاش نے تیزی سے صوبائی تنظیم شروع کر دی، اور آپ کی سعی و ہمت نے جلد ہی کامیابی حاصل کر لی،

لکھنو کانگریس کے موقع پر آپکو کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کا ممبر چنا گیا، لیکن جب اپنی پارٹی کا کام بڑھتا نظر آنے لگا، اور جنرل سکریٹری کی ذمہ داریاں بھی آپ ہی کے سپرد کی گئیں، تو آپ کانگریس ورکنگ کمیٹی سے مستعفی ہو گئے۔

اتنے میں حالات کے ادل بدل سے جنگ یورپ کا طبل بجا، ہندوستان کے نو صوبوں میں کانگریسی وزارتیں کام کر رہی تھیں، اکتوبر میں انہوں نے استعفیٰ دے دیا تو حکومت نے پکڑ کر پہلا ہاتھ آپ ہی پر ڈالا، کچھ عرصہ بعد سنٹرل گورنمنٹ نے ہندوستان بھر کے انقلابی نوجوانوں کو دیولی کیمپ میں جمع کرنا شروع کیا، سوشلسٹ اور کمیونسٹ دو جماعتی ڈھڑوں میں بٹ گئے، جے پرکاش سوشلسٹوں کا راہنما تھا۔

اس کیمپ کی خرابی اور اپنے اپنے صوبوں کو لوٹنے کے سوال پر سارے کیمپ نے بھوک ہڑتال شروع کر دی، کمیونسٹوں نے حکومت سے وعدہ لے کر بھوک ہڑتال چھوڑ دی، لیکن جے پرکاش اپنے ساتھیوں سمیت فیصلہ کن تجویز تک ڈٹا رہا، آخر گاندھی جی نے مداخلت کی اور حکومت پر انداز ہو گئی۔ ایک روز آپ کی بیوی ملاقات کیلئے دیولی کیمپ میں آئی تو آپ نے اسے چند خفیہ خطوط دینے چاہے لیکن ملاقاتی افسر کی نگاہ پڑ گئی اور وہ خطوط پکڑے گئے ان خطوط میں بعض انقلابی اقدامات اختیار کرنے کی ہدایات تھیں،

حکومت ہند نے کچھ دن ٹھیر کر آپ کو مجرم ظاہر کرنے کے لئے ان خطوط کو شائع کر دیا۔ غالباً حکومت کا خیال تھا کہ گاندھی جی ۱۹۳۰ء کی طرح اب بھی اس وضع کے پروگرام کی مذمت کریں گے اور اسے جبر و تشدد کی کھلی چھٹی مل جائے گی لیکن ۴۲ء ۳۰ء نہیں تھا، گاندھی جی نے الٹا حکومت کو ملعون کیا اور کہا کہ یہ سب کچھ حکومت کے اپنے ہی طرزِ عمل کا نتیجہ ہے۔

دیولی کیمپ ٹوٹا۔ تو آپ کو ہزاری باغ جیل میں بھیجدیا گیا۔ اتنے میں اگست ۴۲ء کا تاریخی دور آپہنچا۔ ۹ اگست کی صبح کو گاندھی جی دوسرے راہنما اور ہندوستان بھر کے کانگرسی گرفتار کر لئے گئے۔ ملک میں "ہندوستان چھوڑ دو" اور "کرو یا مرو" کے نعروں نے آگ لگا دی۔ رائے عامہ کا مزاج پہلے ہی آتشیں ہو رہا تھا۔ راہنماؤں کی گرفتاری نے جلتی پر تیل کا کام

کیا۔ لوگ مشتعل ہو گئے۔ پہلے ہی دن۔ بمبئی احمد آباد۔ اور پونا میں مظاہرے ہوئے اور حکومت کی طرف سے بار بار گولی چلائی گئی۔ ۱۵ اگست کو دہلی اور یو۔ پی کے بیشتر حصّوں میں حالات سلگ اُٹھے۔ گیارہ اگست سے پنجاب کے سوا ملک کے ہر حصّے میں ایک انقلابی جنگ چھڑ گئی۔ اور حالات روز بروز حکومت کے حق میں ابتر ہوتے گئے۔ سرکاری عمارتیں منہدم کر دی گئیں۔ ڈاکخانے جلائے گئے تھانوں کو مسمار کیا گیا۔ تار کاٹے گئے۔ ذرائع آمد و رفت میں کامیاب رخنہ اندازی کی گئی۔ بجلی کے تار اُڑا دئے گئے۔

ریلوے کی پوری مشینری کو ناکارہ کرنے کی کوشش کی گئی ایسٹ انڈیا ریلوے کا بڑا حصّہ تباہ کیا گیا۔ اور بی۔ این۔ ریلوے قریباً ساری ناکارہ کر دی گئی حکومت کے بے پناہ جبر نے حالات پر قابو پانے کی ہر چند کوشش کی۔ لیکن تحت الارض (Under ground) تحریک نے حکومت کو بیحد پریشان کئے رکھا مسز ارونا آصف علی پہلے دن ہی روپوش ہو گئیں تھیں۔ اور وائسرائے بیان پر بیان دے رہے تھے۔ کہ خفیہ تحریک کے چلانے میں ورکنگ کمیٹی کے ایک ممبر کی بیوی کا بہت بڑا حصّہ ہے۔

نومبر ۴۲ء میں لوگوں نے اچانک یہ خبر سُنی کہ شری جے پرکاش نارائن اپنے دو ساتھیوں سمیت۔ ہزاری باغ جیل سے فرار ہو گئے ہیں۔ ان کی فراری سے تحریک تحت الارض میں ایک نظم پیدا ہو گیا۔ اور سرکاری رپورٹ کے مطابق صوبجات بمبئی۔ مدراس۔ بہار۔ سی پی۔ اور یو پی میں انقلابی نوعیت کے ایک سے واقعات ایک ہی وقت میں رونما ہونے لگے۔ اور انقلابی ڈھنگ

حکومتی کاروبار میں خلل پڑنے لگا۔ مدناپور اور ضلع ستارا میں تو متوازی حکومتیں قائم ہو گئیں۔ بلکہ وہاں ایک چھوٹے سے وقفہ کے لیئے حکومت کو دستبردار بھی ہونا پڑا۔

اس تحت الارض (Under ground) تحریک میں جو کچھ ہوا اسکی پوری تاریخ غالباً آل انڈیا کانگریس کمیٹی لکھوا رہی ہے۔ یہاں تو محض ضمناً تذکرہ آ گیا ہے۔ البتہ حکومت ہند نے اپنی کتاب کانگریس کی ذمہ داری متعلقہ فسادات ۱۹۴۲ء ۱۹۴۳ء میں جس قدر تفصیلات اشاراتی طور پر جمع کی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تحریک کا اثر غیر معمولی تھا۔ اور اس نے عرصہ تک حکومت کو حواس باختہ کیئے رکھا۔

مذکورہ کتاب میں حکومت نے شری جے پرکاش نارائن کا وہ گشتی مراسلہ بھی درج کیا ہے جو جنوری ۱۹۴۳ء میں آپ نے ہندوستان کی کسی نامعلوم جگہ سے جاری کیا اس مراسلے کا اردو ترجمہ جو حکومت نے کیا ہے۔ حسب ذیل ہے۔

آزادی کی لڑائی لڑنے والوں کے نام

انقلابی سلام!

دوستو!

سب سے پہلے تو میں تمہیں اور ان دوستوں کو جو اسیران جنگ ہیں۔ اس شاندار مقابلے پر دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ جو تم نے اب تک دشمن کے خلاف کیا ہمارے ملک میں جو عرصے سے ظلم اور تکلیفوں کا آماجگاہ رہا ہے۔ ایسے شاندار کام نہ کبھی ہوئے نہ ان کی امید کی گئی تھی۔ بے شک یہ کھلی بغاوت تھی جس کا

تصور ہمارے لاثانی لیڈر مہاتما گاندھی نے پہلے ہی کیا تھا۔

اس میں شک نہیں کہ بغاوت فی الوقت بظاہر فرو کر دی گئی ہے، مگر مجھے امید ہے۔ کہ تم اس سے اتفاق کرو گے۔ کہ یہ محض وقتی طور پر ہی فرو ہوئی ہے اس سے کوئی اچنبہ نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ اچنبا تو جب ہوتا کہ ہماری پہلی کوشش کامیاب ہو جاتی۔ اور سامراج کو بالکل کچل دیتی۔ محض یہ واقعہ کہ خود دشمن نے اعتراف کر لیا ہے کہ بغاوت نے اس کی طاقت کو تباہ ہی کر دیا تھا۔ اس کا ثبوت ہے کہ ہمارے قومی انقلاب کا پہلا دور کس قدر کامیاب رہا۔

پہلا دور کس طرح دبایا گیا ؟۔ کیا یہ دشمن کی فوجی قوت اس کی بے لگام غنڈہ گردی۔ لوٹ مار۔ آتش زنی اور قتل و غارت کی وجہ سے ہوا ؟ نہیں یہ خیال کرنا ہی غلط ہے کہ بغاوت کو دبا دیا گیا۔ انقلابوں کی تاریخیں بتاتی ہیں۔ کہ انقلاب کوئی ایک واقعہ نہیں ہوتا۔ وہ ایک دور اور ایک سماجی عمل ہوتا ہے۔ ایک انقلاب کے ارتقائی منازل میں مد و جزر ہونا معمولی بات ہے۔ اس وقت ہمارا انقلاب بجائے انتہائی بلندیوں پر پہنچ کر کامیابیوں پر کامیابیاں حاصل کرنے کے پستی کی حالت میں ہے۔ اس کی وجہ سامراجی ظالموں کی برتر جسمانی قوت کی مداخلت نہیں، بلکہ اس کے دو اہم سبب ہیں۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ قومی انقلابی قوتوں کی کوئی ایسی کارگزار تنظیم نہ تھی۔ جو کام کرتی۔ اور ان زبردست قوتوں کی موثر طریقے پر رہبری کرتی جن کے بندھن کھل گئے تھے۔ کانگریس اگرچہ ایک بڑی منظم جماعت ہے، مگر وہ ان بلندیوں کے لئے تیار نہ کی گئی تھی۔ جہاں تک کہ اس انقلاب کو پہنچنا تھا۔

تنظیم کی اتنی کمی تھی کہ بہت سے نامی کانگریسیوں کو بغاوت کی رفتار کا بھی پتہ نہ تھا۔ اور اس کے شروع ہونے کے بہت بعد تک بعض کانگریسی حلقوں میں یہی بحث درپیش تھی کہ آیا جو کچھ لوگ کر رہے ہیں۔ وہ کانگریسی پروگرام کے مطابق ہے بھی یا نہیں۔

اس سلسلے میں ایک افسوسناک بات یہ ہے۔ کہ بہت سے ذی اثر کانگریسیوں نے اپنے ذہنوں کو "اس آخری جنگ آزادی" کی روح کا ہمنوا نہ بنایا۔ وہ خلوص۔ وہ احساس ضرورت اور قوتِ ارادہ جو مہاتما گاندھی ڈاکٹر راجندر پرشاد۔ سردار پٹیل میں تھا اس کا عکس تک بہت سے کانگریسی لیڈروں کے دماغوں اور دلوں پر نہ پڑ سکا۔

دوسرے یہ کہ بغاوت کے پہلے دور کے ختم ہونے کے بعد لوگوں کے سامنے آئندہ دور کے لئے کوئی مزید پروگرام پیش نہیں کیا گیا۔ اپنے اپنے علاقوں میں برطانوی راج کو پوری طرح ختم کر دینے کے بعد لوگ یہ سمجھ کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے کہ ان کا کام ہو چکا۔ اس لئے کہ ان کو یہ معلوم ہی نہ تھا۔ کہ اس کے بعد کیا کرنا ہے۔ یہ ان کی خطا نہ تھی یہ ہماری کوتاہی تھی۔ ہمیں چاہیے تھا۔ کہ ان کو دوسرے دور کے لئے بھی پروگرام دے دیتے۔ چونکہ یہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس لئے بغاوت رک گئی اور انحطاط کا دور شروع ہوا۔ اور یہ صورت اس وقت سے بہت دنوں پہلے شروع ہو چکی تھی۔ جبکہ کافی تعداد میں انگریزی فوجوں نے آکر بغاوت کی۔ پیچھے ہٹتی ہوئی کارروائیوں کو اور پیچھے ہٹا دیا۔ اب یہ کہ لوگوں کے سامنے دوسرے دور کے لئے کیا پروگرام پیش کیا جاتا؟ وہ اس کا

جواب انقلابات کی ماہیت میں ملتا ہے۔ انقلاب صرف کوئی تباہ کن کاروائی تو ہے نہیں۔ بلکہ یہ ایک بڑی تعمیری قوت بھی ہے۔ کوئی ایسا انقلاب کامیاب نہیں ہوسکتا جو محض تباہی پھیلا دے۔ انقلاب اسی وقت باقی رہتا ہے۔ جب کہ وہ اس قوت کی جگہ جس کو اس نے تباہ کیا ہے اس کی کوئی جانشین قوت پیدا کر دے۔ اس طرح ہمارے انقلاب کو بھی جس نے ملک کے بہت بڑے حصہ میں تباہی کا سب ہی کام پورا کیا تھا۔ ایک ایجابی پروگرام کی ضرورت تھی۔ جن لوگوں نے بدیسی حکومت کی چیزوں اور اس کے ذرائع نظم و نسق کو تباہ کر کے اس کے نمائندوں کو نکال باہر کیا تھا۔ ان کو ان علاقوں میں اپنی انقلابی حکومت کے ویسے ہی ادارے قائم کر دینا چاہیئے تھے۔ اور اپنی پولیس اور فوج بنا لینی چاہیئے تھی۔ اگر ایسا کیا گیا ہوتا۔ تو ایک ایسی عدیم المثال قوت ہمارے ہاتھ آتی۔ اور تعمیری کام کے لئے ایسی راہیں کھل جاتیں۔ کہ انقلاب کی موجیں کہیں بلند ہوچکی ہوتیں۔ حتیٰ کہ اگر یہی کیفیت سارے ملک میں ہو جاتی تو سامراجی طاقت کا خاتمہ تھا۔ اور سارے ملک میں اقتدار اعلیٰ عوام کے ہاتھوں میں آگیا ہوتا۔

گویا کارگزار کی تنظیم کی کمی۔ اور کسی مکمل قومی انقلاب کے پروگرام کا نہ ہونا یہ دو وجہیں موجودہ انقلاب کے پہلے دور کے اس انحطاط کی تھیں سوال یہ ہے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے ؟ سب سے پہلے تو ہم کو یہ کرنا ہے۔ کہ اپنے اور عوام کے دماغوں سے اضمحلال رفع کریں۔ اور اس کی جگہ حاصلہ کامیابیوں پر مسرت اور آئندہ کامیابیوں کی امید پیدا کریں۔

دوسرے یہ کہ ہم انقلاب کی نوعیت کو برابر اپنے پیش نظر رکھیں اور دوسروں کو سمجھاتے رہیں۔ یہ آزادی کے لئے ہماری آخری جدوجہد ہے۔ لہذا ہماری منزل مقصود سوا فتح کے اور کچھ نہ ہونا چاہیئے۔ اور اس راستے میں کوئی درمیانی منزلیں نہیں ہیں۔ وہ کوششیں جو راجگوپال آچاری ایسے لوگ ایک قومی حکومت بنانے کے لئے کر رہے ہیں۔ وہ صرف بے نتیجہ ہی نہیں بلکہ مضر ہیں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے عوام کی توجہ اصل سوال سے ہٹ جاتی ہے" ہندوستان چھوڑ دو" اور " قومی حکومت" کے نعروں میں کوئی مفاہمت ہی نہیں ہو سکتی۔ جو لوگ کانگریس اور لیگ کی صلح کے نعرے لگا رہے ہیں وہ دراصل سامراجی پروپیگنڈے کی خدمت کر رہے ہیں۔ قومی حکومت کے قیام کے راستے میں اتحاد کی کمی مانع نہیں ہے۔ بلکہ اصل مانع یہ ہے کہ سامراج اپنے آپ کو ختم کرنے پر راضی نہیں چرچل کے اس بیان کے بعد جو حال ہی میں انہوں نے دیا۔ کہ وہ وزیر اعظم اس لئے نہیں بنے ہیں۔ کہ سلطنت کو دیوالیہ کر دیں۔ کوئی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ معاشرت کا وہ متعلم بڑا بیوقوف ہوگا۔ جو یہ امید رکھے کہ سلطنتیں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ سابق انقلابی جو اس کوشش میں ہیں کہ نیاز مندانہ یادداشتوں کی زبردست قوت سے سلطنت ہندوستان ختم ہو جائے۔ ان کے نام تاریخ میں بڑے قابل رحم بیوقوفوں کی فہرست میں لکھے جائیں گے۔

جس چیز کو سامراجی اصطلاح باز ہندوستانی زندگی کے اہم عناصر کا اتحاد کہتے ہیں۔ وہ ضرورت وقت نہیں ہے۔ بلکہ اصلی ضرورت تمام انقلابی قومی قوتوں کا اتحاد ہے۔ اور یہ انقلابی قوتیں پہلے ہی سے کانگریس کے جھنڈے تلے

متحد ہیں۔ اور کانگریس اور مسلم لیگ کی مفاہمت میں ان قوتوں کی ترقی نہیں بلکہ ان کا زوال پیش نظر ہوگا کیونکہ مسلم لیگ تو انقلاب اور آزادی کے راستے کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتی۔

لہذا ہمارا مقصود سامراج کی مکمل بیخ کنی ہے۔ اور اسے ہمکو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اس سوال پر کسی مفاہمت کی گنجائش نہیں۔ ہم یا تو ماریں گے یا جیت لیں گے۔ مار ہم سکتے نہیں۔ کیونکہ ہم نہ صرف فتح کے لئے کام کرنے پر تل گئے ہیں۔ بلکہ اس لئے بھی کہ دنیا کی تمام زبردست قوتیں اس وقت سامراج اور فسطائیت کے انجام کو روز بروز قریب تر لا رہی ہیں۔ یہ نہ سمجھیئے کہ بعد جنگ کی دنیا کی قسمت کا فیصلہ ان رسمی نتائج سے ہوگا۔ جو صلح کانفرنس کے بحث مباحثے کے بعد طے ہونگے۔ جنگ ایک عجیب کیمیاگر ہے۔ اس کے دامن میں ایسی ایسی طاقتیں اور قوتیں تیار ہوتی ہیں۔ کہ وہ فتح مندوں اور شکست نصیبوں دونوں کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ پچھلی جنگ کے بعد جو یورپ اور ایشیا کی چار زبردست سلطنتیں یعنی۔ روس۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ اور عثمانی خاک میں مل گئیں تو یہ کسی امن کانفرنس کا فیصلہ نہ تھا۔ اسی طرح سے روس، ٹرکی اور جرمنی کا انقلاب بھی لائڈ جارج۔ کلمینو۔ یا ولسن کے کسی فرمان کا نتیجہ نہ تھا۔

اس وقت بھی دنیا میں جہاں جہاں لوگ لڑ رہے ہیں۔ کٹ کٹ کر مر رہے ہیں۔ اور طرح طرح کی مصیبتیں جھیل رہے ہیں۔ یہی کیمیاگر کارفرما ہے۔ اور اسی کیمیاگر کی کارفرمائی سے ہندوستان میں ایک معاشرتی تہلکہ مچ گیا ہے۔ جنگ کے

بعد دنیا کی قسمت کا فیصلہ نہ چرچل اور روزویلٹ کریں گے۔ اور نہ ہٹلر اور نہ ٹوجو۔ یہ تاریخی کارنامہ ویسی ہی کوئی قوت کرے گی جس کی نمائندگی ہم کر رہے ہیں۔ کیا ہمیں کوئی شک ہے۔ کہ اس وقت ہر جگہ انقلابی قوتوں میں ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔؟ کیا ہم یقین کر سکتے ہیں۔ کہ کروڑوں انسان بغیر آئندہ کی کسی فکر کے ناقابل بیان مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ کیا کوئی یقین کر سکتا ہے کہ کروڑوں انسان اپنے حاکموں کی آئے دن کی دروغ بافیوں سے مطمئن ہیں؟ نہیں! ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔

لہذا کامل فتح کی منزل پر نظریں جمائے ہوئے ہم کو آگے بڑھنا ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ ہمارے کرنے کا ٹھوس کام کیا ہے۔؟ ایک جنرل لڑائی ہارنے یا جیتنے کے بعد کیا کرتا ہے۔؟ وہ یہی کرتا ہے کہ دوسری جنگ کے لئے تنظیم اور تیاری کرے۔ روس نے اپنی زبردست فتح کے بعد العالمین پر رک کر اپنی فوجوں کی تنظیم کی۔ جنرل الگزینڈر نے بھی تیاری کی اور آخر اپنی شکست کو ایک شاندار فتح میں بدل دیا۔ اور ہمیں تو کوئی شکست بھی نہیں ہوئی ہے بلکہ اس حد تک تو دراصل ہم کو فتح ہی حاصل ہوئی۔ کہ ملک کے ایک بڑے حصے میں برطانوی نظم و نسق بالکل درہم برہم ہو گیا عوام کو تجربے سے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ پولیس اور مجسٹریٹ۔ ارا کین اور جیل خانے۔ یہ شاندار ڈھچر جو برطانوی راج کہلاتا ہے۔ ان کی اجتماعی قوت کے سامنے ایک گھروندے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ سبق بھلایا نہ جائے گا۔ اور آئندہ کی جنگ کے ابتدائی قدم کا کام دے گا۔

پس سر دست ہمارا تیسرا اور سب سے بڑا کام آئندہ کے بڑے اقدام کی تیاری کرنا ہے۔ اس کے لئے تنظیم اور خود کو منضبط کر لینا یہ ہمارے نصب العین ہیں۔

دوسرا اقدام! ہم دوسرا اقدام کب شروع سکیں گے۔؟ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اب عوام ۵ یا ۶ برس تک سر نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ اندازہ ممکن ہے کہ امن کے زمانے میں صحیح ہوتا ہو۔ مگر اس جنگ زدہ طوفانی دنیا میں جہاں واقعات کی رفتار اس قدر تیز ہے۔ یہ انداز صحیح نہیں ہے۔ برطانوی خطائیوں بنانتھگوؤں۔ ہلیسٹیوں۔ ریسٹوڑٹوں اور ان ایسے اور ہزاروں۔ نیز ان کے کمینے ہندوستانی خوشامدیوں کے بیہیمانہ مظالم نے ممکن ہے کہ لوگوں کو دب جانے پر مجبور کر دیا ہو مگر وہ کسی صورت میں بھی ان کو ظالموں کے دوست بنانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ ملک کے سارے دیہات میں جہاں برطانوی نمونہ کی بے نازی گردی رائج رہی۔ اس وقت شدید بے چینی۔ غصہ۔ انتقام کی آگ دہک رہی ہے۔ لوگ اگر اتنا سمجھ لیں کہ زبردست تیاری جاری ہے تو وہ ہمت باندھ کر سرگرمی کے ساتھ متحد اور منضبط طور پر دوسرے اقدام کی ابتدا کریں۔ یہ ایقان دوسرے اقدام کے لئے بہت مفید ہوگا۔ ممکن ہے کہ بین الاقوامی حالات ہمارے ممد بن جائیں۔ اور پھر گاندھی جی کے آئندہ مرن برت کا ارادہ ہم کو اور لوگوں کو برابر یاد دلاتا رہے گا کہ سست نہ پڑیں۔ ڈھل مل نہ ہوں۔ اور بحیثیت

دوسرے اقدام کا سوال انقلاب کے تعمیری کام کے سوال سے وابستہ ہے۔ یعنی انقلابی حکومت کے اداروں کا قیام۔ اور اس سے تشدد اور مسلح فوج کا مسئلہ وابستہ ہے۔ پس اس وقت میں اس مسئلے کے متعلق اپنی رائے پیش کروں گا۔ کیوں کہ میرے نزدیک انقلاب کے مستقبل پر اس کا بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

سب سے پہلے مجھے چند لفظ اس شور و غوغا کے متعلق کہنے ہیں۔ جو برطانوی حکمرانوں نے اس تشدد کے متعلق مچا رکھا ہے۔ جو اس انقلاب کے دوران میں واقع ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ شدید اشتعال کی وجہ سے کسی قدر تشدد ضرور ہوا۔ لیکن شورش کی وسعت۔ اور انفرادی اور اجتماعی احساس کے حیرت انگیز مظاہروں کو دیکھتے ہوئے۔ یہ تشدد کچھ بھی نہیں! شاید یہ محسوس نہیں کیا گیا۔ کہ بدیسی قوت کے سینکڑوں ہندوستانی اور انگریز ملازم چند دن تک بالکلیہ عوام کے رحم و کرم پر رہے اور عوام نے دشمن ہوتے ہوئے بھی ان پر رحم کیا اور ان کی جان و املاک ان کو بخش دی۔ اور پھر ان ہزاروں نوجوانوں اور بوڑھوں کی دلیری۔ شریفانہ ہمت کا کیا کہنا کہ جب ان کے سینوں پر گولیاں لگ رہی تھیں تو ان کے ہاتھوں میں انقلابی پرچم تھے اور زبانوں پر انقلاب زندہ باد کے نعرے۔ کیا ایک لفظ بھی اس پاک ہمت کی تعریف میں انگریزوں کی زبان سے نکلا۔

خیر، مگر کیا یہ قابل غور امر نہیں کہ برطانوی حکومت جو تشدد میں رچی ہوئی ہے۔ جسکی بنیاد تشدد پر ہے۔ اور جو آئے دن تشدد کی انتہائی بے رحمانہ

حرکات کرتی رہتی ہے۔ جو ہزاروں انسانوں کو پیس کر ان کی زندگی کا رس نچوڑ لیتی ہے۔ وہ دوسرے کے کئے ہوئے تشدد پر ایسا شور مچائے انگریزوں کو اس سے کیا کہ ہم لڑنے کے لئے کون سے ہتھیار استعمال کرتے ہیں۔ اگر باغی اہنسا پر کاربند رہیں تو کیا وہ خود بھی اس کا عہد کرینگے۔ کیا انہوں نے ہزاروں اہنسا ئی سپاہیوں کو گولی سے نہیں اڑایا۔ ہم کوئی سے بھی ہتھیار استعمال کریں۔ مگر انگریزوں کے پاس ہمارے لئے وہی گولیاں۔ لوٹ مار۔ زنا بالجبر۔ اور آتش زنی کے حربے ہیں لہذا۔ انگریزوں کو تو اس بارے میں خاموش ہی رہنا چاہیے۔ کہ ہم کس طرح لڑتے ہیں۔ یہ طے کرنا ہمارا اپنا کام ہے۔

اب اس سوال پر بحث کرتے ہوئے مجھے سب سے پہلے وہ فرق یاد دلانا ہے۔ جو اہنسا کے متعلق گاندھی جی کی رائے اور ورکنگ کمیٹی آل انڈیا کانگرس کمیٹی کی رایوں میں ہے۔ گاندھی جی کسی صورت میں اہنسا سے انحراف پر تیار نہیں ہیں۔ یہ ان کا عقیدہ اور اصول زندگی ہے۔ کانگرس کا نقطہ نظریہ نہیں ہے۔ کانگرس نے جنگ کے دوران میں بار بار کہا ہے۔ کہ اگر ہندوستان آزاد ہو جائے۔ یا قومی حکومت بھی قائم ہو جائے تو وہ حملہ آور کا مقابلہ اسلحہ سے کرے گی تو جب ہم جاپان یا جرمنی کے مقابلے میں اسلحہ سے لڑ سکتے ہیں۔ تو انگریزوں کے مقابلے میں اسطرح لڑنے سے کیوں انکار کریں۔؟ اس کا صرف یہی جواب ہو سکتا ہے۔ کہ کانگرس کو جب طاقت نصیب ہو جائیگی تو اس کے پاس فوج ہو گی۔ اور یوں خانماں آوارہ کانگرس کے پاس کچھ بھی نہیں

مگر بالفرض ایک انقلابی فوج تیار ہو گئی ہے۔ تی یا موجودہ ہندستانی فوج یا اسکے کسی حصے نے بغاوت کردی ہوتی۔ تو کیا یہ ہمارا بے تکا پن نہ ہوگا کہ ہم پہلے تو فوج سے کہیں کہ بغاوت کرو اور پھر باغیوں سے کہیں کہ ہتھیار ڈال دو اور کھلے سینوں پر انگریزوں کی گولیاں کھاؤ۔

میری اپنی تعبیر کانگریس کی حیثیت کی ——— نہ کہ گاندھی جی کے رویہ کے متعلق ——— صاف اور واضح ہے اگر ملک کو آزادی مل گئی تو کانگریس اس پر تیار ہے کہ جبر کا مقابلہ تشدد سے کرے۔ اچھا۔ اب ہم اپنے آزاد ہونے کا اعلان تو کرہی چکے ہیں۔ اور انگریزوں کو ایک جابر قوت بھی قرار دے چکے ہیں تو پھر بمبئی کی تجویز کی رو سے ہم انگریزوں کے خلاف اسلحہ سے کام لینے میں حق بجانب ہیں۔ اگر یہ گاندھی جی کے اصول سے دگاؤ نہیں کھاتا۔ تو میرا کیا قصور ورکنگ کمیٹی نے یہی پسند کیا ہے۔ کہ گاندھی جی سے اختلاف کریں۔ اور جہاں تک جنگ کا تعلق ہے۔ ان کے اہنسا کے تصور کو قبول نہ کریں۔ اور پھر برطانوی حکومت نے گاندھی جی کو اس کی اجازت بھی تو نہیں دی کہ وہ اس تجویز کو بنائیں یا چلائیں۔ لہٰذا اس تعبیر پر عمل کرنے میں کسی طرح بھی ہم ان کے ساتھ بے وفائی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اپنی سمجھ کے مطابق اپنا فرض ادا کر رہے ہیں مجھے یقین ہے کہ اپنے اشتراکی رجحان کو کسی طرح بھی بیچ میں لائے بغیر محض ایک سچے کانگرسی کی حیثیت سے میں برطانوی جبر کا مقابلہ اسلحہ سے کرنے میں قطعی حق بجانب ہوں گا۔

میں اتنا اور کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں کہ بہادر لوگوں کی اہنسا اگر کافی بڑے پیمانے پر برتی جائے تو تشدد کو بالکل

غیر ضروری بنا سکتی ہے۔ لیکن جہاں اس قسم کی اہنسا نہ ہو۔ وہاں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ کہ شاستری نکتہ آفرینوں کے بھیس میں بزدلی اس انقلابی تحریک میں رکاوٹ پیدا کرے۔ اور اسے ناکام بنائے۔

انقلاب کے پچھلے دور کے مضمرات کا واضح تصور کر لینے کے بعد اب ہم کو اپنی فوجوں۔ کی تیاری تنظیم۔ تربیت اور انضباط کرنا ہے۔ ہر بات میں ہمکو یہ یاد رکھنا ہے کہ ہماری کاروائی صرف شاذ شاذ نہیں ہوگی بلکہ عوام کی مکمل بغاوت ہمارا مقصود ہے۔ چنانچہ اپنے اصولی کام کے ساتھ ساتھ ہم کو عوام میں۔ گاؤں کے کسانوں اور جھگڑیوں۔ کانوں۔ ریلوں۔ اور دوسری جگہ کے مزدوروں میں بڑا گہرا کام کرنا ہے ہمیں چاہئیے کہ ان میں زبردست پرچار کریں۔ ان کی موجودہ مشکلات میں ان کا ہاتھ بٹائیں۔ ان کو ان کے موجودہ مطالبوں کی خاطر لڑنے کے لئے منظم کریں۔ ان میں اپنی مختلف سرگرمیوں کے لئے منتخب سپاہیوں کو بھرتی کر کے۔ جنگی۔ سیاسی تعلیم دیں۔ تعلیم و تربیت پانے کے بعد مٹھی بھر آدمی وہ کام کر سکتے ہیں۔ جب پہلے ہزاروں سے نہ ہوا۔ ہر قریہ اور تعلقہ اور ہر بڑی فیکٹری اور کارخانے میں اور دوسرے صنعتی مرکزوں میں ہمارے لڑنے والوں کے ایسے دستے موجود رہنا چاہئیں جو۔ ذہنی۔ اور مادی دونوں حیثیتوں سے آئندہ شورش کے لئے تیار رہیں۔

اس کے بعد ہم کو ہندوستانی فوج اور دوسری سروسوں میں کام کرنا ہے۔ شورش اور مظاہرے کا کام کرنا ہے۔ کالجوں۔ مدرسوں اور بازاروں میں بھی کام کرنا ہے۔ دیسی ریاستوں اور ہندوستان کی سرحدوں پر بھی کام

کرنا ہے۔ یہاں پر میرے لئے یہ تو ممکن نہیں کہ ساری تیاریوں کو زیادہ مخصوص شکلوں میں بیان کر سکوں۔ یہی کہہ دینا کافی ہے۔ کہ ابھی بہت عظیم الشان کام باقی ہے۔ اور ہر ایک کو کرنا ہے۔ بہت کچھ ہو رہا ہے اور ابھی بہت زیادہ باقی ہے۔ یہ سب کچھ سوائے نوجوانوں کے اور کون کر سکتا ہے۔؟ کیا یہ اُمید بے جا ہوگی۔ کہ ہمارے طلبہ کا طبقہ جس نے اب تک ایسی درخشاں مثال پیش کی ہے۔ اپنی کامیابیوں کو اور آگے بڑھائے گا اور اپنے وعدے کو پورا کرے گا؟ اس کا جواب دینا خود طلبہ کا کام ہے۔

مجھے یہ واضح کر دینا ہے کہ تیار رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ لڑائی اس وقت بالکل ختم ہو جائے گی۔ نہیں بلکہ گاہ بگاہ کی جھڑپیں۔ سرحدی کارروائیاں معمولی تصادم۔ کمین گاہ سے گولی چلانا۔ پٹرول۔ یہ سب جاری رہنا چاہئیں۔ یہ سب باتیں بجائے خود جارحانہ اقدام کی تیاریوں میں داخل ہیں۔

اب مقصد کے لئے پوری طرح وقف ہو کر اور عوام کے اوپر پورا بھروسہ رکھ کر ہم کو آگے بڑھتے چلنا چاہیئے۔ ہمارے قدم مضبوط ہوں ہمارے دل تلے ہوئے ہماری نظریں تیز۔ آزادی ہند کا آفتاب اُفق سے اوپر آ چکا ہے۔ اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے اپنے شبہات اور اختلاف اور بے عملی اور بے وفائی کے بادل اس آفتاب کو گہنا دیں اور ہم اپنی پیدا کی ہوئی ظلمت میں گم ہو جائیں

دوستو۔ آخر میں اتنا اور کہنا چاہتا ہوں۔ کہ مجھے اس پر ناقابل بیان مسرت اور فخر ہے کہ میں پھر اس قابل ہوا ہوں کہ اپنی خدمات آپ کی

نذر کر سکوں ۔ میں آپ کی خدمت کرنے میں ہمارے لیڈر کے ان الفاظ کو کہ "کرو یا مرو" اپنا چراغ راہ بناؤں گا ۔ آپ کا تعاون میری قوت بازو اور آپ کا ہر حکم میرے لئے وجہ مسرت ہوگا ۔

## ہندوستان کی کسی جگہ سے ———— بی ۔ جے پرکاش"

———— "کہا جاتا ہے کہ آپ نے برما پہنچنے اور سبھاش بابو سے ملنے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیابی نہ ہوئی"

پنجاب میں تحریک کا نام و نشان تک بھی نہ تھا اور جو کچھ آثار تھے انہیں کمیونسٹوں نے "جنتا کی جنگ" کا نعرہ لگا کر ضائع کر دیا تھا ۔ آپ یہاں پہنچے کہ شاید اس سرد دل زندگی کے خاکستر سے بھی کوئی چنگاری نکل آئے مگر چند دن ہی میں پکڑے گئے اور لاہور کے لال قلعہ میں رکھا گیا اس تاریخی قلعہ میں آپ کو جس وحشیانہ برتاؤ کا سامنا کرنا پڑا اس کی کہانی نہایت زہرہ گداز ہے ۔

پنجاب سے آپکو آگرہ سنٹرل جیل میں بھیجدیا گیا حتیٰ کہ برطانوی کیبنٹ مشن کے مذاکرات ابھی جاری تھے کہ آپ کو ملک کی بدلتی ہوئی آب و ہوا کے اقتضا پر رہا کر دیا گیا ۔

جے پرکاش کا انقلابی یقین اب پہلے سے بھی زیادہ پختہ اور مضبوط ہے آپ نے ۔ ۔ ۔ حال ہی میں کانگریسی وزارتوں کے بارے میں بمبئی کے ساحل پر کہا تھا ۔

اب' وزرا مستعفی نہیں ہوں گے بلکہ گورنر دخل دینے پر ضید کئے

جائیں گے۔

**بیرونی محاذ:۔** اس کے معانی اوپر بیان کیے جا چکے ہیں۔ اس محاذ کی مختلف اشکال کا خلاصہ ترتیب وار یہ ہے۔

(۱) جرمنی نے ۱۹۱۴ء کی جنگ کے شروع میں ہندوستانی انقلاب پسندوں کو جن میں کچھ جلاوطن تھے کچھ بھاگ کر آئے تھے اور کچھ تعلیم و تجارت کے باعث ہندوستان سے باہر تھے جمع کیا اور انہیں حتمی امداد کے وعدہ پر اپنے ملک کی آزادی کیلئے اکسایا۔

(۲) چمپا کرمن پلے ایک تامل مدراسی نوجوان نے زیورچ میں ایک "بین الاقوامی ہندوستانی کمیٹی" بنائی اس کمیٹی نے برطانیہ کے خلاف بہت سا لٹریچر شائع کیا۔

(۳) چمپا کر جلد ہی برلن پہنچ گیا۔ اور جرمنی کے محکمہ خارجہ میں کام کرنے لگا۔ اس نوجوان نے یہاں بھی "انڈیا نیشنل پارٹی" بنائی اس جماعت کے سربرآوردہ لوگوں میں، لالہ ہردیال، مولانا برکت اللہ، چندر اکے چکرورتی اور امبا لال گپتا کے اسما قابل ذکر ہیں اس پارٹی نے سان فرانسکو کی غدر پارٹی سے الحاق کر لیا اور پھر اس کی معرفت بنگال کی انقلابی جماعتوں سے رشتہ گانٹھا۔

(۴) لالہ ہردیال اور انکے بہت سے ساتھیوں نے امریکہ میں جنگ سے پہلے ہی غدر پارٹی بنائی ہوئی تھی جس سے دنیا بھر کے انقلاب پسندوں

میں باہمی تعلق استوار ہو گیا تھا، اس پارٹی کی دو اور شاخیں بٹاویہ اور بنکوٹ میں تھیں پہلی پارٹی میں بنگالی نوجوان شامل تھے اور دوسری میں سکھ نوجوانوں کا غلبہ تھا۔

اس جماعت نے ہندوستان میں فوجی قبضہ کے لئے ایک سکیم تیار کی، اور پہلے اقدام کیلئے کلکتہ کو چنا لیکن جن دو مسلح جہازوں کو ہندوستان پہنچنا تھا، ان میں میورک جہاز جون ۱۹۱۵ء میں امریکن پولیس نے پکڑ لیا۔ دوسرا ہنری الیس کسٹم ڈیوٹی کے محکمہ کی دستبرد میں آ گیا، ایم۔ این رائے وغیرہ اس کے انچارج تھے جب کوئی بات بھی جو کس نہ بیٹھی تو یہ سکیم فنا ہو گئی۔

(۵) اس عہد میں جو واقعہ سب سے زیادہ مشہور ہوا وہ کوما گاٹا مارو کا ہے، مارو جاپانی میں جہاز کو کہتے ہیں، ہوا یوں کہ کینیڈا کی حکومت نے ہندوستانیوں کے داخلہ کینیڈا کی ممانعت کر دی، ظاہر ہے کہ یہ انتہائی شرمناک فیصلہ تھا۔

بابا گورودت سنگھ جو کبھی ۱۹۱۰ء میں سنگھا پور اور ملایا وغیرہ میں ٹھیکیداری کرتے تھے، اس قانون کے توڑنے پر آمادہ ہو گئے آپ نے مذکورہ جاپانی جہاز کرایہ لیا، تین سو اکاون سکھوں اور اکیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہو گئے وینکوور جزیرے کے حکام نے روکا، اس پر جھگڑا ہو گیا، اور نتیجۃً تین ہندوستانی بھاگ سنگھ، سیوا سنگھ اور وطن سنگھ ہلاک ہو گئے۔ مجبوراً جہاز واپس لوٹا، ابھی راستے ہی میں تھا کہ ۱۹۱۳ء کی جنگ

چھڑ گئی۔ حکومت ہند نے قانون دفاع ہند کی دیواریں چن دیں اور کاما گاٹا مارو ایک عرصہ تک پانیوں میں پھرتا پھراتا ساحل جاپان پر آ لگا،

اسی اثنا میں غدر پارٹی نے تمام انقلاب پسندوں کو ہندوستان بھیجنے اور انقلاب پیدا کرنے کا فیصلہ کر لیا، بابا سوہن سنگھ کاما گاٹا مارو کے محب الوطنوں کو ملنے کیلئے، یوکوہامہ پہنچے وہاں انقلاب بپا کرنے کی تجاویز زیر بحث لائی گئیں اور مختلف حصّوں کے انقلاب پسند جمع ہوئے پھر ان سب کو لے کر "توسامارو" کاماگاٹا مارو کے پیچھے پیچھے ساحل ہند کی طرف چلا، ان جہازوں میں کافی سے زیادہ اسلحہ تھا، جونہی یہ جہاز ۲۹ر دسمبر کو بج بج کے کلکتہ والے گھاٹ پر پہنچا پولیس نے نرغہ میں لے لیا، پولیس کی لاری تیار کھڑی تھی اس میں سب کو بیٹھنے کے لئے کہا گیا۔ صرف ساٹھ آدمی بیٹھے اور باقیوں نے مدافعت کے طور پر مسلح جنگ شروع کر دی، ۱۸ محبان وطن خاک و خون میں تڑپ گئے بہت سے گرفتار کر لئے گئے لیکن بابا گورودت سنگھ اپنے ۲۸ ساتھیوں کے ساتھ بھاگ نکلے، توسامارو کا بھی ایسا ہی حشر ہوا اور گرفتار شدگان منٹگمری سنٹرل جیل اور ملتان سنٹرل جیل میں بھیجدیئے گئے۔

انقلاب پسندوں کا یہ قافلہ جو پروگرام باہر سے لایا تھا وہ یہاں کے انقلاب پسندوں کو بھی مل گیا لیکن اقدام سے پہلے یہ راز حکومت کے علم و آگاہی میں آ گیا۔۔۔ اندھا دھند پکڑ دھکڑ شروع ہو گئی۔ لاہور میں بیک وقت آٹھ ہزار نفوس گرفتار کئے گئے طول و عرض ملک میں بےشمار

مقدمات چلے، برما ...... میں پھانسی پانے ...... اور قید ہونے والے نوجوان زیادہ تر مسلمان تھے اور پنجاب میں سکھ، لاہور میں جو دو مقدمے چلے ان میں کرتار سنگھ سرابہ، وشنو گنیش پنگلے ہرنام سنگھ، جگت سنگھ، وجے سنگھ اور بخشی سنگھ وغیرہ نے تختۂ دار کو چوما، اور موت کی آغوش قبول کر لی۔

اس انقلاب کی ناکامی کے دو سبب تھے ایک تو یہ کہ جرمن افسروں کو ہندوستان کے حالات کا صحیح علم نہ تھا دوسرے انقلاب پسندوں کے ساتھ ہندوستانی عوامی طاقت کا امدادی جذبہ نہ تھا، اور پھر یہ کہ اس وقت تک نہ ہندوستانی رائے عامہ اس انقلابی موضوعہ پر پہنچی تھی اور نہ ملکی حالات ہی اس کے لئے تیار تھے۔

**کابل کی آزاد ہند گورنمنٹ:۔** ہندوستان میں دیوبند کی درسگاہ شروع ہی سے برطانوی حکومت کی حریف چلی آتی ہے۔ بلکہ اس کی بنیاد ہی اس اصول پہ قائم کی گئی ہے۔

یہ مدرسہ دراصل اُس ذہن کی یادگار ہے جس نے ۱۸۵۷ء میں برطانوی حکومت سے بغاوت کی، اور جس کے پیروؤں کو ایک عرصہ تک اس کی پاداش میں ابتلا و آزمائش کا سامنا رہا، بیچ میں کچھ عرصہ کے لئے اس ذہن کی عملی سرگرمیاں معطل ہو گئیں، مگر بلقان کی جنگ نے ان میں نئے بال و پر پیدا کر دے۔

فروری ۱۹۱۵ء میں بعض علما کی طرف سے ہجرت کا فتویٰ دیا گیا

اور ۱۵ سو کے قریب مسلمانوں نے افغانستان کا رخ کیا، یہ ہجرت مجموعی طور پر ناکام رہی۔ ادھر —— پہلی جنگ یورپ کا آغاز ہو چکا تھا اور مسلمان خلیفۃ المسلمین کی سلطنت کے معاملہ میں برطانوی کارفرمائی سے سخت مضطرب تھے۔

مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے وقت میں ہندوستان کے ظلمتکدہ میں اسلام کی آخری شمع تھے اپنے شاگرد رشید مولانا عبیداللہ سندھی کو چند ساتھیوں کے ہمراہ، ایک پلان کے تحت باہر بھیجدیا۔ اُن کا خیال تھا کہ اس وقت جب برطانیہ ہندوستانی فوجوں کی پوری طاقت یورپی محاذ پر لے جا کر صرف کر رہا ہے۔ ہندوستان میں ایک زوردار تحریک پیدا کر کے، بیرونی امداد کے سہارے، دو طرح فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔

(۱) برطانیہ کی قوت مدافعت کو اندرونی و بیرونی دونوں محاذوں پر کمزور کرنا اور اس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر آزادیٔ ہندوستان کا ساز و سامان پیدا کرنا۔

(۲) بیرونی محاذ کی فوجی قوت کو اندرونی شورش پیدا کر کے تقسیم کرا لینا، اور اس طرح طاقت کے بٹوارے سے برطانیہ کی شکست کو قریب تر لانا۔

مولانا عبداللہ سندھی نے کچھ عرصہ آزاد علاقے میں گذارا اور کہا جاتا ہے کہ آپ نے جرمن و ترک نمائندہ سے مل کر باقاعدہ پلان بھی تیار کیا

لیکن امیر حبیب اللہ خاں والیٔ افغانستان کو ترغیب نہ دے سکے۔

وائسرے ہند نے امیر افغانستان سے آپ کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن امیر کی افغانی غیرت نے نہ مانا اور انکار کر دیا البتہ زور آور دشمن کی سیاسی ناراضی کے خیال سے آپکو کابل کے حدود میں نظر بند کر دیا۔

مولانا کی انقلاب پسند طبیعت کیلئے یہ پابندیاں بیکار تھیں۔ آپ نے کابل میں انقلابی مرکز قائم کیا اور راجہ مہندر پرتاپ وغیرہ کے اشتراک سے عارضی آزاد ہند حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس کے صدر راجہ مہندر پرتاپ اور وزیر اعظم خود مولانائے ممدوح تھے۔

آپ نے قسطنطنیہ کے شیخ الاسلام سے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے جہاد کا فتویٰ حاصل کیا، اور اس کو بصیغۂ راز ہندوستان بھیجا۔

اس نامہ و پیام میں جو کمال کیا گیا، وہی کمال بعد میں اس تحریک کا نام بن گیا۔

ہندوستانی علما کے نام بعض ریشمی رومال تحفتہً بھیجے جاتے ان کی تزئین کچھ اسطرح ہوتی کہ پیغام کے حروف بھی شامل ہوتے یہ سلسلہ ایک مدت تک جاری رہا لیکن بعد میں ایک رومال جو آپ نے حضرت شیخ الہند کے نام حجاز لکھا تھا سرکاری جاسوسوں کے ہاتھ آگیا اور اسطرح راز فاش ہو گیا۔ ہندوستان میں بہت سی گرفتاریاں عمل میں آئیں اور اکثر علما جیلوں میں ڈالے گئے۔ لیکن حکومت کے ہاتھ کوئی ٹھوس چیز نہ آسکی، اور نہ سکیم ہی نتیجہ خیز ثابت ہوئی۔

جنگ ختم ہوگئی تو ہندوستان میں مارشل لا کے نفاذ نے تحریک
لاتعاون پیدا کر دی، مولانا نے کابل میں کانگریس کمیٹی کی بنا ڈالی۔
مگر ہندوستان کی کانگریس کمیٹی نے اس کا الحاق منظور نہ کیا اگرچہ ایک طرح کا ذہنی
رشتہ دونوں طرف ضرور قائم رہا۔ اسی دوران میں امیر امان اللہ خاں تخت کابل
پر جلوہ گر ہوئے، مولانا ان پر اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو گئے اور انگریزوں سے
بھڑا دیا، خود امیر امان اللہ کے کاغذات سے تصدیق ہوتی ہے کہ مولانا مشرقی
محاذ کی فوج کے سر عسکر تھے امیر امان اللہ خاں کو اپنے مقصد میں کامیابی ہوئی۔
اور بین الاقوامی حالات رو بہ سکون ہو گئے تو آپ ماسکو چلے گئے وہاں دیر تک رہے
انقلاب اور نظریہ انقلاب کا گہرا مطالعہ کیا پھر ٹرکی پہنچے وہاں ایک مدت تک
ٹھہرے پھر حجاز کی سرزمین میں سکونت اختیار کر لی حتیٰ کہ زندگی کی صبح کو
بڑھاپے کی شام آ گئی۔

۱۹۳۷ء میں صوبجاتی خود مختاری کا دور دورا ہوا تو آپ کی واپسی کا بھی شور اٹھا
اور حکومت نے ہندوستان آنے کی اجازت دیدی، یہاں پہنچکر آپ نے اپنے انقلابی
نظریوں کی بنیاد دے یعنی فکر ولی اللہی کے پرچار پاگنڈے کا بیڑا اٹھایا اور سندھ ساگر پارٹی
بنائی لیکن ۱۹۴۴ء میں زندگی نے ہمیشہ کیلئے آپ کا ساتھ چھوڑ دیا اب بازار سیاست میں
آپکی چند تالیفات رہ گئی ہیں جس سے ہندوستان کے اس بڑے انقلابی کی فکری زندگی
کے ٹھوس ارادوں کا پتہ چلتا ہے۔

ہندوستان کے نیشنلسٹ وقائع نگاروں نے آپکے ساتھ نہایت ناانصافی برتی ہے اور بعض اوقات
احساس کو صدمہ ہوتا ہے کہ جو چیز ایک دکان پر کمیاب بلکہ نایاب سمجھی جاتی ہے وہی
چیز دوسری دکان پر ارزاں اور بے توقیر کیونکر ہو جاتی ہے۔

# میدانِ جنگ

آزادی کے لئے لڑنا، مرنا اور جینا ہر قوم کا قدرتی حق ہے آزادی کی جنگ ناکامی کی صورت میں بغاوت کہلاتی ہے اور کامیاب ہونے پر اس کو حب الوطنی کی مقدس جنگ تسلیم کیا جاتا ہے۔

آزاد ہند فوج کا تخیل کوئی اچھوتا نہیں اور نہ اس میں کسی قسم کے اعجاز کو دخل ہے بلکہ بعض یورپی ملکوں میں اس طرز کے کامیاب تجربے ہو چکے ہیں سبھاش بابو نے اس میں جو عسکری روح پیدا کی اور ہندوستانیوں کی ایک بہت بڑی جمعیت کو جس کی تعداد چالیس پچاس ہزار بتائی جاتی ہے جس کمال سے حب الوطنی کے نام پر منظم کیا وہ اپنی بناوٹ اور یادگار اثرات کے باعث صحیح معنوں میں تاریخ کا انقلابی معجزہ ہے۔

سبھاش بابو ابھی برلن ہی میں تھے کہ اس تصور کا عملی خاکہ سنگاپور میں تیار کیا گیا۔ راش بہاری بوس اور کپتان موہن سنگھ اس کے محرک تھے لیکن اس خاکہ میں زندگی کے اُجلے رنگ سبھاش بابو ہی نے بھرے' ۲ر جولائی ۱۹۴۳ء کو آپ سنگاپور پہنچے، اگلے دن آزاد ہند لیگ کی صدارت قبول کر لی' اور پھر دنوں میں کایا پلٹ کر دی!

گو مشرقِ بعید کی اس فوج ہی کو تاریخی شہرت حاصل ہوئی لیکن آپ نے سنگاپور آنے سے پہلے جرمنی میں بھی آزاد ہند فوج کا ایک ڈھانچہ تیار

کیا تھا۔ اس فوج نے یورپی محاذ کے بعض معرکوں میں حصہ لیا اور خاصی ناموری حاصل کی، مگر سبھاش بابو کے جرمنی سے نکلتے ہی اس کا نام اور کام دونوں ختم ہو گئے۔

**جرمنی کی آزاد ہند فوج:-** لفٹننٹ جسونت سنگھ جو اس فوج میں شریک تھے اُن کا بیان ہے کہ لیبیا کے میدانوں میں جب دسویں ڈویژن اور بیسویں بریگیڈ کے سپاہی جرمن فوجوں سے لڑ رہے تھے تو اُس وقت ہوائی جہازوں سے سبھاش بابو کے دستخطی اشتہار پھینکے گئے ان میں درج تھا کہ برطانیہ ہماری آزادی کا غاصب ہے موجودہ جنگ جرمنی اور برطانیہ کے درمیان ہو رہی ہے اس لڑائی سے ہمارا کوئی علاقہ نہیں آپ مہربانی فرمائیں اور نہ لڑیں"

ان اشتہاروں کو دیکھتے ہی کئی ہزار ہندوستانی سپاہیوں نے مارشل رومیل کی فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال دئے جہاں سے انہیں ڈیسڈن لے جایا گیا وہاں چیدہ چیدہ ہندوستانی افسروں اور سپاہیوں کی سبھاش بابو سے ملاقات کرائی گئی۔ تبادلہ خیال ہوا اور سبھاش انہیں اپنے ڈھب پر لانے میں کامیاب ہو گئے۔

**آغاز:-** ۲۶ جنوری کو آپ نے پندرہ سو ہندوستانیوں پر مشتمل آزاد ہند فوج کی بنا ڈالی، اس فوج نے روسی محاذ کے سوا ہر یورپی محاذ کی لڑائی میں حصہ لیا، اور بعض جگہ حفاظتی دستوں کی خدمات بھی انجام دیں۔

ہر سپاہی کو ماہانہ تیس مارگ دا ایک مارگ اٹھارہ آنے کا ہوتا ہے) بطور تنخواہ ملتے تھے۔ ان کی وردی پر ایک امتیازی بیج لگا ہوتا تھا جس پر ترنگے جھنڈے کا نشان، چیتے کی تصویر اور جرمن بولی میں آزاد ہندوستانی لکھا ہوتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ پہلے دن جب سبھاش بابو نے عسکری پریڈ کے موقع پر قومی جھنڈا لہرایا تو پرچم پر سلطان ٹیپو کا فوٹو بھی تھا۔

**ڈھانچہ اور سانچہ:۔** اس فوج کا قطعی ڈھانچہ اور سانچہ معلوم نہیں ہو سکا جو چند نقش تھے انہیں اسطرف کی آزاد ہند فوج کے کارناموں نے ہلکا اور ماند کر دیا ہے

البتہ اس فوج کی یادگار صرف "جے ہند" کا نعرہ ہے جو نہایت تیزی سے ہندوستان کا قومی سلام اور ملکی نعرہ بن گیا ہے، اس نعرے کا موجد ایک حیدرآبادی نوجوان محمد حسین ہے جو جرمنی میں ادویات کی تعلیم حاصل کرتا تھا یہ پہلا ہندوستانی تھا جو سبھاش بابو کو برلن میں ملا اور انہیں اس طریقے سے سلام کیا۔

اس نعرے کی ساخت ہی بتاتی ہے کہ اس میں جرمنی کے نظریہ قوت کی جھلک ہے اور اس کے پس منظر میں محکم یقین، بلند ارادہ، اور بے لوث استقلال پایا جاتا ہے۔

## مشرق بعید کی آزاد ہند فوج

**سقوط سنگاپور:۔** ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو سنگاپور پر جاپانی فوج نے قبضہ

کر لیا۔ اس وقت ہندوستانی فوج کی اکثریت کا ذہن، کالے گورے کے سوال پر برطانوی وفاداری سے ہل چکا تھا، اور ہندوستانی آفیسر محسوس کر رہے تھے کہ گوروں نے سنگاپور کے سانحہ میں ان سے دغا کی ہے، اسی طرح امتیازات کے اور بھی بہت سے پہلو ایسے تھے جن سے ہندوستانی افسر برگشتہ خاطر ہو رہے تھے۔

۱۷ فروری کو میجر فجی وارا (Fujiwara) نے بعض ہندوستانی افسروں کو اپنے ہیڈ کوارٹر میں بلایا اور ان سے ہندوستان کی آزادی کے سوال پر مشورہ کیا، کہا جاتا ہے کہ فجی وارا نے انہیں یقین دلایا کہ برطانوی سلطنت اب رو بہ زوال ہے۔

اور آپ لوگ گو اصلاحی طور پر ہمارے دشمن ملک کے باشندے ہیں لیکن جاپانی حکومت محسوس کرتی ہے کہ آپ اپنی مرضی سے شریک جنگ نہیں ہوئے آپ اگر اس موقعہ سے اپنے ملک کی آزادی کیلئے فائدہ اُٹھانا چاہتے ہیں تو جاپانی حکومت حتمی امداد کے وعدے کا یقین دلاتی ہے۔"

کپتان موہن سنگھ نے فجی وارا سے اتفاق کیا، اور مناسب فضا پیدا کرنے کے لئے مختلف گوشوں کی تلاش شروع کر دی۔

**فیرا پارک میں:۔** اسی دن شام کو فجی وارا اور کپتان موہن سنگھ فیرپارک گئے جہاں پندرہ ہزار جنگی قیدی جمع کئے گئے تھے۔

کرنل ہنٹ نے جو اس فوج کا اعلےٰ افسر تھا لاؤڈ سپیکر سے اعلان کیا کہ وہ انہیں جاپانی گورنمنٹ کے حوالے کرتا ہے، اور مشورہ دیا کہ وہ جاپانی گورنمنٹ کے حکم کو ٹھیک اسی طرح مانیں جس طرح برطانوی حکومت کے احکام

بجا لاتے رہتے، دوسری صورت میں انہیں سزا دی جائیگی۔

اس کے بعد لفٹنٹ کرنل ہنٹ نے کچھ کاغذات میجر فجی وارا کو دئے میجر نے جاپانی زبان میں ایک تقریر کی جس کا انگریزی اور ہندوستانی میں ترجمہ کیا گیا اس کا نچوڑ یہ تھا۔

میں جاپانی نمائندے کی حیثیت سے آپ لوگوں کا چارج لیتا ہوں، ہماری گورنمنٹ آپ کو قیدی بنانے کے لئے تیار نہیں آپ لوگ آج سے آزاد ہیں۔ ہمارے پاس راشن کی بھی کچھ کمی ہے۔ اس لئے آپ لوگوں کو تھوڑی بہت محنت و مشقت بھی کرنی ہوگی۔

میں آپ لوگوں کو کپتان موہن سنگھ کے حوالے کرتا ہوں جو آپ کا اصلی کمانڈر رہوگا"۔۔۔۔۔۔۔ اس کے بعد کپتان موہن سنگھ نے تقریر کی انہوں نے کہا میرے ہندوستانی بھائیو! انگریز آپ کو جاپانیوں کے حوالے کر گئے ہیں جاپانی آپ کو قیدی رکھنے کیلئے تیار نہیں ان کے پاس خوراک کی بھی قلت ہے، ہم نے ایک ہندوستانی فوج بنائی ہے جو ہندوستان کی آزادی کے لئے لڑے گی، کیا آپ سب لوگ اس میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں۔۔۔۔؟؟

اس پر سب نے اپنی رضامندی اور مسرت کا اظہار کیا، کپتان موہن سنگھ نے کہا کہ مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ

سب خوشی سے اس میں شامل ہو رہے ہیں مگر آزادی شور مچانے سے نہیں ملا کرتی ۔۔۔۔۔۔ !

برطانوی حکومت نے الزام لگایا ہے کہ ہندوستانی نوجوں نے ملایا میں اچھی طرح لڑائی نہیں لڑی مگر آپ لوگوں کو معلوم ہے کہ ہماری فوج کے پاس کس قسم کے ہتھیار تھے کتنے ٹینک تھے کتنے ہوائی جہاز تھے اور کتنے مقامات کو فوجوں نے بغیر اجازت خالی کیا[1] ۔

وقتی جوش و مسرت کے علاوہ کپتان موہن سنگھ کی اس تقریر کا اچھا اثر ہوا اور بعض گوشوں میں اطمینان سا نظر آنے لگا ۔

حالات کی اس فراہمی سے جدوجہد کی امکانی صورت بھی ابھر آئی اور ایک جا جمع ہو کر سوچنے کی راہیں ڈھونڈھی جانے لگیں ۔

**مجلس مشاورت :-** چنانچہ ملایا کے مختلف حصوں میں رہنے والے ہندوستانیوں کی ایک مجلس مشورت ۹ مارچ ۱۹۴۲ء کو سنگاپور میں منعقد ہوئی ۔ اس میں جاپانیوں کی خواہش کے خلاف ٹوکیو کو ایک دوستانہ مشن بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا ، جاپانی حکام اپنی لامٹوں پر اپنے مخصوص مقاصد کے لئے ایک سرکاری ڈیلی گیشن بھجوانا چاہتے تھے لیکن کانفرنس نے

---

[1] ماخوذ از بیان صوبیدار میجر بابورام ۔ لال قلعہ کا تاریخی مقدمہ صفحہ ۵۰

ان کی رائے سے اتفاق نہ کیا اور اپنے فیصلہ پر اصرار کیا۔

اسی اثنا میں مسٹر راش بہاری بوس نے ۲۸ سے ۳۰ مارچ تک ٹوکیو میں، ایک کانفرنس بلائی جس میں، دوستانہ مشن کے علاوہ ہانگ کانگ سیام، سنگھائی، اور جاپان کے نمائندوں کو بھی مدعو کیا، سیام کے نمائندے راستے ہی میں ہوائی حادثے کی بھینٹ ہو گئے۔

اس کانفرنس میں ذیل کی تجاویز منظور کی گئیں۔

(۱) ہندوستان سے غیر ملکی حکومت کو ختم کرنے کے لئے مشرقی ایشیا کے ہندوستانیوں میں آزاد ہند تحریک چلائی جائے۔

(۲) اس مقصد کیلئے مشرقی ایشیا کے تمام ہندوستانیوں کی ایک جماعت "آزاد ہند لیگ" کے نام سے بنائی جائے۔

(۳) اس جماعت کی کونسل آف ایکشن جاپانیوں سے بحری، بری اور ہوائی امداد و تعاون حاصل کرے۔

(۴) آزاد ہند فوج ہی ہندوستانیوں کے خلاف کاروائی کرنے کی مجاز ہو۔

(۵) ہندوستانی اپنا آئین خود تیار کرینگے۔

(۶) جون ۱۹۴۲ء میں مشرقی ایشیا کے تمام ملکوں کے ہندوستانی باشندوں کی ایک نمائندہ کانفرنس بلائی جائے جو آزاد ہند تحریک کی افتتاحی رسم ادا کرے۔

بنکاک کانفرنس:۔ چنانچہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے

۱۵ر مئی ۲۳ر جون ۱۹۴۲ء تک بنکاک میں مشرقی ایشیا کے ہندوستانی باشندوں کی ایک نمائندہ کانفرنس کا اجلاس ہوا۔ اس میں جاپان مانچوکو۔ ہانگ کانگ۔ برما۔ بورنیو۔ جاوا۔ ملایا اور سیام کے ایک سو سے زائد نمائندوں نے شرکت کی' ان کے علاوہ جاوا اور ہانگ کانگ کے فوجی نمائندے (جنگی قیدی) بھی شریک ہوئے' کپتان موہن سنگھ نے کپتان شاہنواز کو لکھا کہ وہ اپنے تین نمائندے بھیجیں لیکن آپ نے صرف ایک نمائندہ ہی بھیجا آپ کا اس وقت تک خیال تھا کہ جاپانی ہندوستانی فوجوں کو اپنے فائدے کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

اس کانفرنس میں نو دن تک خوب بحث و مباحثہ ہوا اور بالآخر مندرجہ تحت فیصلے کئے گئے

(۱) مشرق بعید میں مقیم ہندوستانی باشندوں اور جنگی قیدیوں کی رضاکارانہ آمادگی سے آزاد ہند فوج بنائی جائے۔

(۲) آزاد ہند لیگ قائم کی جائے۔ سنگاپور۔ ملایا، برما، سیام جاوا۔ سماٹرا۔ فلپائن اور جاپان میں اسکی شاخیں ہوں جو آزاد ہند فوج کے لئے' روپیہ' کپڑا۔ اور سپاہی فراہم کریں۔

(۳) آزاد ہند فوج بننے پر اسکی کمان کپتان موہن سنگھ کے سپرد ہوگی۔

(۴) ایک کونسل آف ایکشن بنائی جائے جو آزاد ہند فوج اور جاپان کے درمیان رابطہ قائم رکھے۔

(۵) آزاد ہند فوج کے تمام ہتھیار جاپانی گورنمنٹ مہیا کرے گی۔
(۶) اس اسلحہ کی نقد قیمت آئندہ ہندوستانی گورنمنٹ ادا کرے گی۔
کونسل آف ایکشن میں دو شہری اور دو فوجی نمائندے ہونگے ——!!
مسٹر راش بہاری بوس صدر، مسٹر راگھون کپتان موہن سنگھ، اور لفٹننٹ کرنل گیلانی!!

آزاد ہند لیگ کے بنیادی موٹو یہ ہوں گے۔

(الف) اتحاد، یقین، قربانی۔

(ب) ہندوستان کی وحدت ناقابل تقسیم ہے۔

(ج) تمام مساعی قومی بنیادوں پر ہوں گی، فرقہ دارانہ نسلی اور مذہبی رجحانات کو مطلق دخل نہ ہوگا۔

آزاد ہند فوج کے لئے مندرجہ ذیل مقاصد تجویز کئے گئے۔

(۱) برطانیہ اور دوسری غیر ملکی طاقتوں کو ہندوستان سے نکالنا۔

(۲) ہندوستان کی آزادی کا حصول اور حفاظت۔

(۳) اُن تمام اُمور و مہمات میں شرکت جو ہندوستان کی آزادی میں معاون ہو سکتے ہیں۔

**جاپانی گورنمنٹ سے استدعا:-** ایک قرارداد میں جاپانی گورنمنٹ سے استدعا کی گئی کہ وہ جرمن حکومت کو اس امر پر رضامند کرے کہ سبھاش بابو کو مشرقی ایشیا میں ہندوستانیوں کی راہنمائی کے لئے بھیجا جائے۔

ان تجاویز کو پاس کرنے کے بعد، کانفرنس کا اجلاس منتشر ہو گیا، لیکن مجوزہ مقامات میں جگہ بہ جگہ آزاد ہند لیگیں بننے لگیں، اور آزاد ہند فوج کے تنظیمی اجزا بھی لمحہ بہ لمحہ مضبوط ہوتے گئے۔

**جاپانیوں سے اختلاف:۔** جاپانیوں کو یہ آزادانہ وسعت ناگوار گذری اور انہوں نے رخنہ اندازی شروع کر دی۔

اول تو انہوں نے بنکاک کانفرنس کے فیصلوں کا کوئی قطعی اور واضح جواب نہ دیا دوسرے جاپان کے فوجی حکام نے آزاد ہند لیگ سے رابطہ قائم رکھنے کیلئے جو محکمہ "ایوکرو کیکن" کے نام سے بنایا تھا اس نے بیجا مداخلت شروع کر دی، اس ناجائز طرزِ عمل سے بد ظنی کی آب و ہوا اور بھی مسموم ہو گئی، چنانچہ جب جاپانی حکام نے آزاد ہند فوج کو برما بھیجنے کے لئے کہا تو کپتان موہن سنگھ اور جاپانی حکام میں شدید اختلاف پیدا ہو گیا، اور صورت حال بگڑ گئی شکایات کی اس ناخوش گوار فضا میں ملایا کمیٹی کا ہنگامی اجلاس ہوا۔ مسٹر راش بہاری بوس صدر مجلس مرکزیہ سے مداخلت کی درخواست کی گئی اور فیصلہ کیا گیا کہ اگر ان شکایتوں کا تدارک نہ ہوا تو ملایا کمیٹی کے ارکان احتجاجاً مستعفی ہو جائیں گے۔

جاپانی اس تجویز سے برہم ہو گئے اور مسٹر راش بہاری بوس پر دباؤ ڈال کر مسٹر راگھون سے استعفیٰ لے لیا، ان کے ساتھ ملایا کمیٹی بھی مستعفی ہو گئی۔

ادھر جاپانیوں نے اپنی کٹھ پتلی لیگیں بنانی شروع کر دیں، کپتان موہن سنگھ کسی صورت میں بھی جاپانی کٹھ پتلی بننے کو تیار نہ تھے، اختلافات بڑھے تو

ذہنی ٹکراؤ ہونے لگا، اس ٹکراؤ نے مزاجوں میں درشتی پیدا کر دی، جاپانی حکام نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں آپ کو گرفتار کر لیا، اور یکایک تعطل پیدا ہو گیا۔

کپتان موہن سنگھ کی گرفتاری کے بعد ان کی مرتبہ آزاد ہند فوج ٹوٹ گئی ہے، کاغذات نذر آتش کر دیے گئے اور اعزازی نشان بھی ان کے حسب لمبا چلے دیئے گئے۔

اگرچہ اس سے ایک پوری عمارت کو جھٹکا ضرور لگا، لیکن حالات جلد قابو میں آ گئے کپتان موہن سنگھ کی گرفتاری کے ہفتہ بعد ایک کمیٹی آف ایڈمنسٹریشن بنائی گئی۔ اس کمیٹی کا ظاہری مقصد تو فوجی نظم و ضبط قائم رکھنا تھا، لیکن دراصل، اس سے آزاد ہند فوج میں شامل ہونے کے لئے جنگی قیدیوں کو ترغیب دی جاتی تھی، راش بہاری بوس نے قیدیوں میں کئی ایک لیکچر دیے اور انہیں وطنی سیاسیات سمجھا کر اپنی ڈگر پہ لانا چاہا مگر حالات کو سلجھانا آسان نہیں تھا، ایک تو کپتان موہن سنگھ کی گرفتاری نے فضا کو بگاڑ رکھا تھا، دوسرے کسی مرکزی شخصیت کا فقدان، بعض افسروں کو برطانیہ سے خائف کئے ہوئے تھا۔ اور وہ بحالات موجودہ آزاد ہند فوج میں آنا اور رہنا نہیں چاہتے تھے۔

شاہنواز وغیرہ کی شرکت نے گو آزاد ہند فوج کو نئے سرے اور نئی طاقت سے ترتیب دے لیا تھا، لیکن ابھی تک اس میں کوئی بے نام خلا محسوس ہو رہا تھا،

**سبھاش بابو کی آمد:۔** ان پریشان حالات میں اپریل ۱۹۴۳ء کو مشرقی ایشیا کے تمام ڈیلی گیٹوں کی ایک کانفرنس بمقام سنگاپور طلب کی گئی جس میں مسٹر راش بہاری بوس نے بتایا کہ سبھاش بابو عنقریب جرمنی سے آرہے ہیں۔ اور ان کی جگہ اب وہ تحریک کی رہنمائی کریں گے۔

۲ر جولائی ۱۹۴۳ء کو سبھاش بابو سنگاپور پہنچ گئے۔ ۴ر جولائی کو راش بہاری بوس نے آزاد ہند لیگ سے صدارتی علیحدگی اختیار کر لی اور ان کی جگہ سبھاش بابو صدر بن گئے۔

آزاد ہند فوج کا بیشتر حصہ اس وقت برما میں تھا۔ آپ دوسرے روز ۵ر جولائی کو رنگون تشریف لے گئے۔ پہلا عسکری مظاہرہ دیکھا اور تمام دنیا کو اس فوج کے قیام کا اعلان سنایا۔ اس موقعہ پر آپ نے عسکری نوجوانوں کو مارچ کرتے وقت ذیل کا معرکہ آرا پیغام دیا:

اس بل کھاتی ہوئی ندی کے دوسری جانب، ان لہراتے ہوئے جنگلوں سے دور، ان بلند و بالا پہاڑیوں کی اوٹ میں ہمارا وطن ہے۔ وہ دیش جس پر فریفتہ ہو کر آسمانی دیوتا بھی اُتر آئے تھے وہ دھرتی جس کی خاک میں رام اور کرشنا گھٹنوں کے بل چلے تھے اسی خاک میں ہم سب نے جنم لیا ہے، اسی میں ہم پلے ہیں۔ اسی مہربان ماں کی محبت ہماری نس نس میں رچی اور بسی ہوئی ہے ہم آج اپنے وطن سے دور ہیں، گھونسلے سے بھٹکے ہوئے پرندے کی

طرح ہم آسمان پر منڈلا رہے ہیں، یاد رکھو ہمیں ایک بار پھر اپنے وطن میں واپس جانا ہے سنو، سنو، ہوا کی لہروں سے یہ صدا کھیلتی ہوئی آ رہی ہے۔ ہمارا وطن ہمیں بلا رہا ہے ہمارے دار السلطنت دہلی نے ہمارے استقبال کے لئے، اپنی آنکھیں بچھا دی ہیں، سنو، سنو، دیش کے کونے کونے سے دھو، گنگا، اور دیوا کے کناروں سے چالیس کروڑ آوازیں ایک ساتھ ہمیں پکار رہی ہیں۔ چالیس کروڑ انسانوں کے دل ہمارے استقبال کے لئے، دھڑک رہے ہیں اسی کروڑ بازو ہم پر پھول برسانے کیلئے اُٹھے ہوئے ہیں خون نے خون کو پکارا ہے۔ ماں نے روٹھی ہوئی اولاد کو جھنجوڑا ہے۔ اب ہم وقت ضائع نہیں کر سکتے، ہمارے ہتھیار اب میان میں نہیں رہینگے — سامنے کے پتھریلے پہاڑ پر لہراتا ہوا یہ پہاڑی راستہ ہمارے اور ہمارے وطن کے بیچ میں لہرا رہا ہے۔ آگے بڑھو! اس راستہ کو کچل کر پہاڑوں اور گھاٹیوں کو پار کرو؛

اس پار جاکر آسمان سے بھی اپنی آزادی کو چھین لانا ہے، خدا آپ کی مدد کرے گا۔ لیکن خدا ان ہی کی مدد کرتا ہے، جن کے سانس میں طوفان اور جن کی پسلیوں میں بھونچال ہوتا ہے دشمنوں کے سینوں کو چیر کر اپنے وطن پہنچنا ہے۔

آزادی یا موت ——— !!

یا تو ہمیں اپنا ترنگا جھنڈا لہراتے ہوئے قلعہ دہلی کو فتح کرنا

ہے اور یا لڑتے لڑتے اپنی جان دے دینی ہے۔ دہلی کی راہ آزادی کی راہ ہے۔ یا تو ہم دہلی میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوں گے، نہیں تو ہماری لاشیں خاک آلود ہوں گی۔ شام کی خونی ہوا کے لہراتے ہوئے جھونکے اس بات کے گواہ ہوں گے کہ آزادی کے لئے، ہم موت کی قیمت دینے میں کبھی نہیں چوکے ——————!!

اپنے خون کی ہر اک بوند سے اٹھتی ہے پکار
دہلی ہے اُس پار — دہلی ہے اُس پار

**نئی زندگی:-** سبھاش بابو کی آمد سے آزاد ہند فوج اور آزاد ہند لیگ میں ایک نئی زندگی، ایک نئی روح، ایک نیا ارادہ، ایک نیا جوش، ایک نئی امنگ، ایک نئی قوت اور ایک نئی تنظیم پیدا ہو گئی

اس سے پہلے جو بے نام خلا محسوس ہوتا تھا وہ بھی پُر ہو گیا۔ سبھاش کی مقناطیسی شخصیت نے جو اثر کیا اُس کا اندازہ اس بیان سے ہوتا ہے۔ جو میجر جنرل شاہنواز نے لال قلعہ کی عدالت میں دیا اور کہا کہ نیتاجی کی آمد سے پہلے میں ملکی سیاسیات کے اُتار چڑھاؤ سے قطعاً ناواقف تھا اور مجھے زندگی کی اس شاہراہ کا کوئی علم نہ تھا، لیکن نیتاجی کی جادو بیانی نے مجھ پر جادو کر دیا۔ اور میں نے پہلی دفعہ یقین کے ساتھ محسوس کیا کہ آزاد ہند فوج فی الحقیقت ہندوستان کی آزادی کے لئے بنائی گئی ہے

**دہلی چلو:-** سبھاش بابو نے ۵ر جولائی ۱۹۴۳ء کے فوجی اجتماع میں مذکورہ عسکری پیغام کے علاوہ ایک جنگجویانہ تقریر کی، اور فرمایا کہ—— ہر قومی فوج' ایک مخصوص نعرہ' جو اس کی خواہشات کا مرجع اور نصب العین کا مظہر ہوتا ہے' لگاتی اور آگے بڑھتی ہے' جرمنی کا آغاز جنگ میں نعرہ تھا پیرس چلو' جاپانیوں کا نعرہ تھا سنگاپور چلو' اسی طرح ہمارا بھی نعرہ ہونا چاہیئے —— دہلی چلو اور یہ نعرہ اُس وقت تک بلند ہوتے رہنا چاہیئے۔ جب تک دہلی کے لال قلعہ پر ہمارا قومی پھریرا دوبارہ لہراتا ہوا نظر نہ آئے'۔

آپ نے مزید فرمایا——

"آج زندگی کا سب سے پُر فخر دن ہے۔ آج قدرت نے یہ منظم موقع مجھے بخشا ہے کہ میں اس دنیا میں اعلان کروں کہ آزاد ہند فوج تیار ہو گئی ہے۔ یہ فوج سنگاپور میں منظم ہوئی۔ جو کبھی برطانیہ کا گڑھ تھا۔ یہ وہ فوج ہے جو ہندوستان کو برطانیہ کی غلامی سے آزاد کرائے گی۔ ہر ہندوستانی کو فخر کرنا چاہیئے کہ آج آزاد ہند فوج' ہندوستانی افسروں کے ماتحت منظم ہو گئی۔ اور جب وہ تاریخی ساعت آئیگی یہی آزاد ہند فوج میدان کارزار میں کودیگی۔ آج میں برطانی شہنشاہیت کے مزار پہ کھڑا ہوا ہوں۔ ایک بچہ بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ہمہ گیر طاقت رکھنے والی برطانی شہنشاہیت ماضی کی ایک کہانی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

رفیقو! میرے سپاہیو! تمہارا نعرہ صرف یہ ہونا چاہیئے" دہلی چلو" دہلی چلو"

میں نہیں کہہ سکتا کہ ہم میں کتنے آدمی اس جنگ کے بعد زندہ رہیں گے لیکن میں یہ ضرور جانتا ہوں کہ کامیابی ہماری ہے۔ اور ہمارا فرض اس وقت تک ختم نہ ہو گا جب تک ہم فتح کی پریڈ برطانوی شہنشاہیت کے دوسرے مقبرے یعنی دہلی کے لال قلعہ میں نہ کرلیں۔

میں اپنی سیاسی زندگی میں ہمیشہ یہ خیال کرتا رہا کہ ہندوستان ہر طرح اور ہر حیثیت سے "آزادی" کا مستحق ہے۔ اس کو صرف ایک ایسی مسلح فوج کی ضرورت ہے جو اس کو آزاد کرا دے۔ جارج واشنگٹن کے پاس مسلح فوج تھی۔ اس لئے وہ برطانیہ سے لڑ سکا اور امریکہ کو اس نے آزاد کرایا۔ گریبا لڈی نے اطالیہ کو اپنے مسلح رضا کاروں کے بل پر آزاد کرایا۔ یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ آج پہلی دفعہ تم آزاد ہند فوج کی تنظیم میں شامل ہوئے ہو فوجیو! یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ آج تم نے ہندوستان کو آزاد کرنے کے لئے فوج مرتب کی اور تم اس کے دست و بازو ہو، تم اس فوج کے دست و بازو ہو جو اپنی قوم کی وفادار ہے۔ جو ہر مشکل اور دکھ میں بھی اپنا فرض ادا کرنے کو تیار ہے۔ جو اپنی عزیز جان بھی آزادی کی قربان گاہ پر نذر کرنے کو تیار ہے، جس کا عزم ایک مضبوط قلعہ ہے۔

ساتھیو، تم ہندوستان کی عزت کے علمبردار ہو، تم سے ہندوستان کا مستقبل وابستہ ہے۔ ہندوستان کی امید تم ہو۔ ہندوستان کے عزم کا نشان تم ہو۔ اس لئے تم اس طرح کام کرو کہ ہندوستان کی آئندہ نسلیں تم کو مبارکباد دیں اور تمہارے کارناموں پہ فخر کریں۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ کتنا

ہی بُرا وقت آئے تاریکیاں ہر طرف چھا جائیں، میں تمہارے ساتھ رہوں گا
زمانہ تاریک ہو یا روشن تم مجھکو ہمیشہ اپنے ساتھ پاؤگے۔ دُکھ درد مصیبت
خوشی، فتح، غرضیکہ ہر وقت میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ اس وقت میں تمہیں
کچھ نہیں دے سکتا۔ میں صرف بھوک، پیاس دُکھ درد ہی دے سکتا ہوں
یہ کافی سمجھنا چاہئے کہ ہندوستان آزاد ہوجائے گا ممکن ہے کہ ہم میں سے
بعض لوگ ہندوستان کی آزادی کو دیکھنے کے لئے موجود نہ ہوں لیکن یہ کوئی
اہم بات نہیں ہمیں اور آپ کو فقط یہ کافی ہے کہ ہندوستان آزاد ہوجائے
یہی ہماری قربانیوں کا صلہ ہے۔ خدا ہماری کوششوں کو کامیاب کریگا
خدا ہی اسی قوم کو طاقت دے گا اور ہمیں فتح و کامرانی نصیب ہوگی۔

**عورتوں کی رجمنٹ:۔** عارضی حکومت بنانے کے دوسرے روز ۲۲ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو آپ نے رانی جھانسی
کے نام پر عورتوں کی رجمنٹ بنائی، اور کیپٹن لکشمی کو اس کا کمانڈر مقرر کیا،
اس موقعہ پر آپ نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔

"بہنو! ہندوستان کی عورتیں کسی معاملہ میں بھی پیچھے نہیں رہی ہیں
انہوں نے خوش اسلوبی، دانائی اور فراست کے ساتھ حکومتوں کا نظام
چلایا۔ اور ان کی باگ ڈور کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ اور وہ شاندار
روایات قائم کی ہیں جن کی نظیر ملنا محال ہے۔ اہلیا بائی (مہاراشٹر)، رانی
بھوانی (بنگال)، رضیہ بیگم اور نورجہاں کے نام تاریخ میں جگمگا رہے ہیں اور
پکار پکار کر اپنی اولوالعزمی قابلیت اور لیاقت کا سکہ دُنیا سے منوا رہے ہیں

انقلابانہ زندگی کی مثال آپ کو رانی جھانسی کی زندگی سے مل سکتی ہے اس کی عمر تیئیس سال تھی لیکن حوصلے پختہ تھے، ناقابل تسخیر سپرٹ کی مالک تھی۔ اس نے ننگی تلوار لے کر اپنی چھوٹی سی عمر میں دشمنوں کے دانت کھٹے کر دئے — اس کا مقابل انگریزی کمانڈر اس کے مرتبے، بہادری اور عالی حوصلگی کی تعریف میں رطب اللسان تھا۔

کون کہتا ہے رانی جھانسی کو شکست ہوئی۔ رانی جھانسی کو شکست نہیں ہوئی۔ اُس کا جذبہ اور اُس کی اسپرٹ اب بھی زندہ ہے۔ ہماری عورتوں نے ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں بہت بڑا پارٹ ادا کیا ہے۔ پچھلے بیس سال میں اور خاص طور پر ۱۹۳۱ء کی تحریک عدم تعاون میں عورتوں نے نہایت اہم کارنامے انجام دئے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ ہماری بہنوں نے ہر قسم کی پبلک تحریک میں حصہ لیا۔ کوئی قومی کام ایسا نہ تھا جس میں عورتیں آگے آگے نظر نہ آتی ہوں۔ گاؤں گاؤں پیدل پھرنا۔ پے درپے تقریریں کرنا گھر گھر آزادی کا پیغام لے جانا، انتخابی مہموں میں کوشش کرنا۔ ظالم پولیس کے سخت گیرانہ رویّہ کا مقابلہ کرنا۔ لاٹھی چارج برداشت کرنا۔ قید و بند کی مصیبتیں تکلیفیں اور ذلتیں خوشی خوشی اُٹھانا اُن کا ہی کام تھا۔

اگر میں آپ پر پورا اعتماد کرتا ہوں تو یہ میرا خالی خولی اعتماد نہیں۔ بلکہ تجربہ اس کا شاہد ہے کہ آپ اِن خصوصیات کی مالک ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ حکومتیں بنتی بھی ہیں اور بگڑتی بھی ہیں۔ وہ وقت آئے گا کہ حکومت ہند بھی ختم ہو۔

اگر کسی کا یہ خیال ہے کہ بندوق اُٹھانا عورتوں کا کام نہیں تو اس سے میں یہ کہوں گا کہ وہ تاریخ پڑھے۔ رانی جھانسی نے ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی اور معرکہ انقلاب میں کس قدر اہم کام کیا تھا۔ وہ پہلی ملکہ تھی جو گھوڑے پر سوار ہو کر ننگی شمشیر کھولے فوج کی رہنمائی کر رہی تھی۔

ہمارا فرض ہے کہ اس کے شروع کئے ہوئے کام کو دوبارہ جاری کریں اور کامیابی سے ختم کریں۔ اس آخری جنگ میں ایک رانی جھانسی ہی نہیں بلکہ ہزاروں رانیاں چاہئیں۔"

**فوج کی ہیئت ترکیبی:۔** آزاد ہند فوج کی تعداد کا اُتار چڑھاؤ مختلف اوقات میں مختلف رہا ہے ستمبر ۱۹۴۲ء میں اس فوج میں دس ہزار سپاہی اور افسر تھے۔ سبھاش کی آمد سے جب اس میں نئی روح پیدا ہوئی تو ستمبر ۱۹۴۳ء میں اس کی تعداد چالیس ہزار تک پہنچ گئی۔ بعض بیانات سے نوے ہزار کا تخمینہ بھی لگایا جاتا ہے۔

بہرکیف اس فوج کے باقاعدہ عسکری اجزا تھے جو اپنے اپنے دوائر میں کام کرتے تھے۔

عام رنگروٹوں کی فوجی تربیت کے لئے ٹریننگ کیمپ کھولے گئے، صرف ملایا میں چار تربیتی اسکول تھے اور ایک وقت میں سات ہزار نوجوان فوجی تربیت پاتے تھے افسروں کی ٹریننگ کا بھی ایک ادارہ تھا اسکے انچارج مہاراشٹر کے لفٹننٹ کرنل بھونسلے تھے فوج میں کل ڈیڑھ ہزار کے قریب ادنیٰ و اعلیٰ افسر تھے۔

ایک میجر جنرل نے پچھلے دنوں ایک ذاتی ملاقات میں بتایا کہ وار کونسل کے فیصلہ کی رو سے ہم تین لاکھ آدمی بھرتی کرنے چاہتے تھے۔ اس فوج کا مقولہ تھا۔

ہمارا ملک ایک ہے ——— ہندوستان

ہمارا دشمن ایک ہے ——— انگلستان

ہمارا مقصد ایک ہے ——— آزادی

**جانباز رجمنٹ:-** جانباز رجمنٹ آزاد ہند فوج کے جاں سپار عسکری حصہ کا نام تھا۔ جیسے بہادر گروپ بھی کہتے تھے انہیں جس قدر سپاہی تھے وہ اپنے وطن کی آزادی و استقلال کے نام پر حلف لئے ہوئے تھے اس رجمنٹ میں سے ایسے دستے تیار کئے جاتے تھے۔ جو دشمن کی صفوں میں گھس کر خبریں لانے، خفیہ فوجی اطلاعات حاصل کرنے اور اسکے فوجی استحکامات اور وسائل آمد و رفت کو نقصان پہنچانے میں مشاق ہوتے تھے ایک فوجی افسر کا کہنا ہے، اگر اس عسکری حصہ کو اپنے کارناموں کی بجا آوری کا موقع مل جاتا تو ایک دفعہ دنیا بہادری کے ان اقدامات سے محو حیرت ہو جاتی کیپٹن برہان الدین اسی گروپ کے افسر اعلیٰ تھے۔

**رانی جھانسی رجمنٹ:-** اس رجمنٹ میں تقریباً بارہ سو ہندوستانی عورتیں تھیں جو اپنی ۲۴ سالہ نوجوان کمانڈر کیپٹن لکشمی کے ماتحت کام کرتی تھیں آغاز میں ان کے سپرد زخمیوں کی دیکھ بھال اور علاج معالجہ تھا، لیکن جلد ہی ان کا جذب الوطنی زنگ روم

سے میدان جنگ کی طرف پلٹا اور انہوں نے اپنی کپتان کے توسط سے سبھاش بابو کو درخواست کی کہ وہ بھی میدان جنگ میں شریک ہو کر اپنے وطن کی خدمت کرنا چاہتی ہیں۔

پانچ عورتوں نے جن میں ایک بنگالی ایک دکھنی اور دو گجراتی تھیں اپنے لہو سے سبھاش بابو کو خط لکھا، کہ

آپ نے ہمیں سکھایا اور پڑھایا ہے کہ عورت اور مرد اختیار میں برابر ہیں ـــــ آپ نے ہمیں جاپانیوں سے لڑنے اور ہتھیار چلانے کی تربیت دی، لیکن ابھی تک ہمیں ہسپتال میں رکھا گیا ہے۔ اب ہم میدان جنگ میں جانا چاہتی ہیں، اور آپ کو یقین دلاتی ہیں کہ ہم میں مردوں سے زیادہ لڑنے اور سہنے کی ہمت ہے"

ہمارا جو قدم بھی میدان جنگ کی طرف اُٹھے گا۔ وہ کسی حالت میں بھی پسپائی کو قبول نہیں کر سکتا ہے"

سبھاش بابو نے دیویوں کے حوصلوں کو مایوس کرنا پسند نہ کیا، اور اجازت دے دی"

چنانچہ اس رجمنٹ کے بعض دستوں نے گوریلا جنگ میں قابل فخر حصہ لیا، اور غنیم کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

ایک مرتبہ مولمین کے نزدیکی میدان میں متواتر سولہ گھنٹے تک اس رجمنٹ نے، اتحادی فوج کے مسلحہ سپاہیوں کی پیش قدمی کو روکے رکھا،

ان کے پاس صرف بندوق اور کارتوس تھے لیکن اُس طرف، مشین گنیں اور کلدار توپیں تھیں۔ گھمسان کا رن پڑا، جب بہت سی عورتیں موت کے گھاٹ اُتر گئیں اور پانسہ پلٹا تو عورتوں نے پیچھے ہٹنا گوارا کیا۔

عموماً اس رجمنٹ کا کام صفِ اوّل میں رہکر، برطانوی فوج کے ہندوستانی سپاہیوں کو ورغلانا، اور انہیں اپنی فوج میں لانا ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ نرسنگ کا کام بھی انہیں کے سپرد تھا۔

اس میں زیادہ تر خواندہ شہری عورتیں شامل تھیں جن کی تربیت اور بھرتی کے لئے سنگاپور اور رنگون میں دو کیمپ کھولے گئے تھے۔ تنخواہ کا معیار، برطانوی معیار کے مطابق تھا۔ ان کا فوجی پہناوا پوری پینٹ خاکی قمیص، ترچھی ٹوپی اور ربڑ کے بوٹ تھے۔

ہندوستان کی اخلاقی عظمت کے باعث ان کا اخلاقی مرتبہ نہایت اونچا تھا، اور سبھاش بابو اپنے مقدس مقصد کی وجہ سے اس پر خاص زور دیتے تھے۔

**بچوّں کی رجمنٹ:۔** اسکی صحیح تعداد تو معلوم نہیں لیکن ۱۵ سے ۲۰ برس تک کے بچوں کی ایک "بال سینا" تھی جو رنگون، بنکاک، اور سنگاپور میں پیغام رسانی کے علاوہ آزاد ہند لیگ کا لٹریچر بانٹتی تھی۔

اس میں کفن بدوش بچوں کے بعض ایسے دستے بھی تھے جن کا مقصد سراسر جاں فروشی تھا، یہ بچے برما کی لڑائی میں اپنی کمر کے ساتھ "بارودی

سرنگ" باندھکر ٹینکوں کے راستے میں لیٹ جاتے تھے جونہی ان کے اوپر سے ٹینک گذرتا بالک سپاہی شہید، اور ٹینک ناکارہ ہو جاتا تھا۔

**عمومی نقشہ :-** فوج کا عمومی نقشہ حسب ذیل تھا۔

(۱) سپریم کمانڈ۔ سبھاش چندر بوس۔
(۲) پرسنل فزیشن۔ لفٹننٹ کرنل راجو
(۳) اے۔ ای۔ سی۔ کیپٹن شمشیر سنگھ
(۴) چیف آف دی جنرل سٹاف۔ میجر جنرل جے کے بھونسلے۔
(۵) اسسٹنٹ آف دی چیف آف دی جنرل سٹاف۔ کرنل حبیب الرحمٰن۔
(۶) ڈی۔ اے۔ جی۔ میجر ناگ
(۷) سی۔ پی۔ ایم۔ میجر مورتی۔
(۸) جج ایڈووکیٹ جنرل۔ میجر ناگ
(۹) ڈی۔ پی۔ ایم۔ میجر بان سنگھ
(۱۰) ڈی۔ کیو۔ ایم۔ جی۔ لفٹننٹ کرنل تہل سنگھ۔
(۱۱) سپلائی اور ٹرانسپورٹ۔ میجر ایم۔ اے خاں۔
(۱۲) چیف آرڈی نینس افسر۔ میجر اکبر علی
(۱۳) ڈائرکٹر میڈیکل سروس۔ لفٹننٹ کرنل کے رائے۔
(۱۴) ملٹری سکریٹری۔ لفٹننٹ کرنل محبوب احمد۔
(۱۵) جی برانچ نمبر ا۔ کرنل راؤ راج

سپریم کمانڈ کو تین ڈویژنوں میں تقسیم کیا گیا تھا ان کی تفصیلات کا نقشہ یہ ہے۔

ڈویژن (۱) اعلیٰ کمانڈر:۔ ——— میجر جنرل محمد زمان کیانی

گوریلا رجمنٹ نمبر۱ ——— کمانڈر میجر جنرل شاہ نواز خاں
(سبھاش گوریلا رجمنٹ)

گوریلا رجمنٹ نمبر۲ ——— کمانڈر کرنل عنایت خان کیانی
(گاندھی گوریلا رجمنٹ)

گوریلا رجمنٹ نمبر۳ ——— کمانڈر کرنل گلزار اسنگھ
(آزاد گوریلا رجمنٹ)

ڈویژن نمبر۲:۔ اعلیٰ کمانڈر ——— کرنل عزیز احمدؒ[1] خاں

گوریلا رجمنٹ نمبر۴ ——— کمانڈر کرنل ڈھلون
(نہرو گوریلا رجمنٹ)

گوریلا رجمنٹ نمبر۵ ——— کمانڈر کرنل حسین

انفنٹری رجمنٹ ——— کمانڈر کرنل سہگل

اس آخری ڈویژن میں بھاری توپوں، درمیانی توپوں، ٹینکوں، مسلح موٹر کاروں کے سرفروش دستے بھی تھے، جنکے افسروں کا مختلف اوقات میں تبادلہ ہوتا رہتا تھا۔

---

[1] آپ جنوری ۱۹۴۵ء تک اس عہدہ پر مامور رہے پھر آپ کی جگہ میجر جنرل شاہ نواز نے لی۔

اس کے ماتحت بھی چار گوریلا رجمنٹیں تھیں۔

**ڈویژن نمبر۳:-** چونکہ بنکاک کانفرنس میں آزاد ہند فوج کی کارروائیوں کو انڈین نیشنل کانگرس کے قومی فیصلوں کی سپرٹ کا پابند بنایا گیا تھا اس لئے بعض رجمنٹوں کے نام لیڈروں کے نام پر رکھے گئے تھے۔ جیسا کہ رجمنٹوں کے ذکر میں خطوط وحدانی کے اندراج سے ظاہر ہے لیکن سبھاش بابو نے چارج سنبھالتے ہی اسے بدل دیا اور صرف نمبروں سے منسوب کیا اُن کا خیال تھا کہ فوجی نقطہ نگاہ سے سابقہ طریقہ بہتر اور انسب نہیں ہے۔

مذکورہ بالا تینوں ڈویژنوں میں ہر ایک میں نو یونٹیں ہوتی تھیں۔ جن کے نام اور کام حسب ذیل تھے۔

(۱) سپلائی ڈپو (۲) ورکس شاپ ڈپو۔ (۳) تعمیری ڈپو (۴) مال غنیمت کے انتظام کا ڈپو (۵) انجنیئرنگ ڈپو۔ (۶) یونیفارم ڈپو (۷) ملٹری پولیس (۸) موٹروں اور کاروں کو پٹرول مہیا کرنے کا ڈپو (۹) بینڈ۔

**امتیازی رنگ:-** ہر رجمنٹ کا امتیازی رنگ ایک چھوٹے سے نشان کی صورت میں ہوتا تھا جو اس کے آدمی اپنے بائیں کندھے پر لگاتے تھے مثلاً

بوس گوریلا رجمنٹ کے آدمی سبز اور سرخ رنگ کا گول بیج لگاتے تھے۔

گاندھی گوریلا رجمنٹ کے آدمی صرف سبز رنگ کا تکون بیج لگاتے تھے۔

نہرو گوریلا رجمنٹ کے آدمی بھورے رنگ کا چوکور بیج لگاتے تھے۔

آزاد گوریلا رجمنٹ کے آدمی سفید رنگ کا گول بیج لگاتے تھے۔

افسروں اور سپاہیوں کو بلا تفریق اپنے سینہ پر ترنگا' بیج لگانے کا حکم تھا۔ ہر افسر کا منصبی وضاحتی نشان بھی ہوتا تھا؛

کرنل کے کندھے پر ایک سرخ کنارے کی پٹی' N.A رکھدا ہوا پیتل کا بلہ اور ایک سنہری اسٹار ہوتا ہے' دوسری طرف سنہری ہار۔

لفٹنٹ' کے نشان بھی یہی ہوتے تھے صرف دو نیلے ہار بدل جاتے تھے۔

سیکنڈ لفٹنٹ' کے لئے مذکورہ نشان کے علاوہ صرف ایک نیلا ہار ہوتا تھا سب افسروں کے لئے بھی یہی مقرر تھے لیکن ہار کوئی نہیں ہوتا تھا۔

**تمغۂ شتر و نمائش:۔** آزاد ہند فوج کا سب سے اعلےٰ تمغہ تھا۔ جو کسی سپاہی کو اس کی یادگار بہادری کے صلے میں ملتا تھا۔ عام طور پر یہ تمغہ اُس شخص کو دیا جاتا تھا جو امریکی' اور برطانوی سپاہیوں کو مارنے بھگانے اور پکڑنے میں مستعدی دکھاتا تھا؛

**اسلحہ:۔** فوج کا نصف' تربیت یافتہ اور مسلح تھا نصف زیر تربیت اور بلا اسلحہ کے تھا۔ شروع میں برطانیہ کی شکست خوردہ فوج کے ہتھیار ہی استعمال کئے جاتے رہے۔ لیکن سبھاش کی آمد پر' جاپانیوں سے نقد قیمت پر اسلحہ خریدا گیا۔

**مشاہرہ:۔** چونکہ تمام اخراجات قومی فنڈ سے ادا ہوتے تھے اس لئے تنخواہ کا نقشہ بوجھل نہیں تھا بلکہ زیادہ تر رضا کارانہ خدمات انجام دی جاتی تھیں۔ ہر سپاہی نے اپنا مستقبل آزاد ہندوستان

کے سپرد کر رکھا تھا، خورد نوش اور یونی فارم کے علاوہ تنخواہوں کا سکیل یہ تھا۔ لفٹنٹ ۔ ۸۰ روپے

کپتان ۔ ۱۰۰ ״

میجر ۔ ۱۸۰ ״

لفٹیننٹ کرنل ۔ تین سو روپے

کرنل ۔ چار سو روپے

سپاہی کی تنخواہ کا معیار۔ برطانوی ہندوستانی سپاہی کی تنخواہ کے برابر تھا

ہر ہندوستانی کو آزاد ہند فوج میں بھرتی ہوتے وقت حلفاً

**عہدنامہ:۔** عہد کرنا پڑتا تھا، اس عہد نامے کے الفاظ یہ تھے ــــــ

میں رضاکارانہ طور پر اور اپنی مرضی سے آزاد ہند فوج میں بھرتی ہوتا ہوں میں حلفیہ اور صدق دلی سے خود کو ہندوستان کے لئے وقف کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ میری زندگی ہندوستان کی آزادی کے لئے وقف ہو گی۔

میں اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال کر اپنی پوری قوت سے ہندوستان کی تحریک آزادی کے لئے، کام کروں گا۔ اپنے ملک کی خدمت کرنے میں اپنے لئے کسی سے ذاتی فائدہ نہ چاہوں گا میں تمام ہندوستانیوں کو بلا لحاظ مذہب و زبان اور علاقہ اپنا بہن بھائی سمجھوں گا۔

**آرمی ایکٹ:۔** کپتان حبیب الرحمٰن اور کپتان دل سکھ مان کی ہدایت

پر انڈین آرمی ایکٹ کی روشنی میں لفٹنٹ ناگ نے آزاد ہند فوج کا آئینی ضابطہ تیار کیا تھا، اور اپنے طور پر وہ تمام نقائص خارج کر دیے تھے جو ان کے نزدیک انڈین آرمی ایکٹ میں پائے جاتے تھے۔

**تقسیم مراتب:-** لفٹننٹ کرنل ڈھلون سے گفتگو کے دوران میں معلوم ہوا کہ جب آزاد ہند فوج ترتیب دی گئی، اور نیتاجی بھی تشریف لے آئے، تو وہ تمام فوجی اعزازت اور مراتب ترک کر دیئے گئے، جو برطانوی حکومت کی طرف سے ملے ہوئے تھے۔ تمام افسروں کا ایک رینک بنا دیا گیا اور پھر ان کے کام کی نوعیت اور اختیار کے درجے پہ آزاد ہند فوج کے سپریم کمانڈر کی طرف سے مراتب دیئے گئے۔

چنانچہ خود لفٹننٹ کرنل ڈھلون برطانوی فوج میں صرف لفٹنٹ تھے، لیکن آزاد ہند فوج میں لفٹنٹ کرنل کے عہدے پر پہنچ گئے۔ اسی طرح کپتان شاہنواز نے، میجر جنرل کا عہدہ حاصل کر لیا آزاد ہند فوج کے افسروں کے ساتھ آجکل جو منصبی اعزاز نظر آتے ہیں، یہ سب انڈین نیشنل آرمی کی "ہیئت حاکمہ" کے دیئے ہوئے ہیں۔

**اعلان جنگ:-** ۵ر جولائی ۱۹۴۳ء کو سبھاش بابو نے آزاد ہند فوج کو آزاد ہند لیگ کے صدر کی حیثیت سے، ہدیہ تبریک پیش کیا اور دہلی چلو کا نعرہ لگایا ۱۵ر اگست کو فیرو پارک کے ایک جلسہ میں "ہندوستان چھوڑ دو" کی سالانہ یاد کے موقع پر آپ نے

ہندوستان کی اندرونی تحریک کے ساتھ برما کی سرحد پر دوسرا محاذ قائم کرنے کی ضرورت کا تذکرہ کیا اور اظہار مسرت فرمایا کہ شہری مسلمان بھی اس تحریک میں انتہائی دلچسپی لے رہے ہیں۔

۲۸ ستمبر کو آپ دہلی کے آخری مغل تاجدار کی لحد پر عقیدتمندانہ آنسوؤں کے گجرے لیکر حاضر ہوئے اور وہیں افسروں کے اجتماع میں فرمایا۔

تاریخ کا عجب اتفاق ہے کہ ہندوستان کا آخری شہنشاہ برما کی سرزمین میں دفن ہے اور برما کا آخری بادشاہ ہندوستان میں آرام کی نیند سو رہا ہے، اس مقدس یادگار کے سامنے کھڑے ہو کر ہم مصمم ارادہ کرتے ہیں، کہ اس جنگ میں جو ہندوستان کی آزادی کی آخری جنگ ہے ہم مضبوط عزم کے ساتھ آخر دم تک لڑینگے، اور اس وقت تک مصائب و آلام اور خطرات و خدشات سے بے پرواہ ہو کر پورے جوش و ہمت سے لڑینگے جب تک غیر ملکی غلامی کا منحوس سایہ ہندوستان کی سرزمین سے ہمیشہ کے لئے نہیں اٹھ جاتا ہے۔

میجر جنرل شاہنواز نے یہ واقعہ دفتر احرار میں خود ایک تقریب کے موقعہ پر سنایا، جب، وہ سنا رہے تھے تو اُن کا چہرہ دمک رہا تھا، اور پلکیں بھیگی ہوئی تھیں۔ اُن کا بیان ہے کہ سبھاش بابو، بہادر شاہ کی قبر پر مجسمہ عقیدت بنے کھڑے تھے اُن کا چہرہ اشکبار تھا اور وہ اپنے

مذکورہ الفاظ نہایت گہرے کرب اور مستحکم ارادے سے کہہ رہے تھے۔
۲۱ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو آپ نے عارضی حکومت کی بنیاد ڈالی۔ اور
۲۳ر اکتوبر کو آپ نے برطانیہ اور امریکہ کے خلاف جنگ کا اعلان
کر دیا، اس اعلان کے الفاظ یہ تھے۔

خدا کے نام پر، ان پچھلی نسلوں کے نام پر جنہوں نے ہندوستان کے
مختلف العناصر فرقوں میں قومیت کی وحدت پیدا کی اور ان
شہیدوں کے نام پر جنہوں نے بہادری اور قربانی کی قابل فخر
روایات کو قائم کیا۔

ہم ہندوستانیوں سے اپیل کرتے ہیں۔ کہ وہ اپنے قومی
جھنڈے کے نیچے جمع ہوں اور ہندوستان کی آزادی کے لئے
حملہ کریں ہم ان کو حکم دیتے ہیں کہ ہندوستان کی آزادی کے
لئے انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کے خلاف آخری جدوجہد
شروع کریں اور ثابت قدمی سے اس وقت تک جاری رکھیں
جب تک ہمیں فتح نصیب نہ ہو اور وطن عزیز دشمن کے
وجود سے پاک نہ ہو جائے۔

**میدان جنگ:-** اعلان جنگ کے سوا تین مہینے بعد آزاد ہند فوج
نے ۴ر فروری ۱۹۴۴ء کو برما کی سرحد سے باقاعدہ
حملہ کر دیا، اور میدان جنگ میں کود پڑی۔ کئی ایک معرکے ہوئے اور کئی
پوائنٹوں پر انگریزی فوج کو ہزیمت اٹھانی پڑی، بلکہ بہت سے گورے افسر

قیدی بھی بنا لیئے گئے، لیکن قدرت کا منشا، انسانی خواہش سے مختلف تھا

ریاست منی پور تک آزاد ہند فوج کے سورماؤں نے اقدام کیا۔ اور بالآخر

ہندوستان کی سرزمین پر، اپنے آنسو اور لہو کی بوندیں چھوڑ کر پلٹ آئے،

ایک فوجی افیسر نے راقم التحریر کو نانپارہ اسٹیٹ کے سفر میں بتایا

کہ ہمیں ہارنا نہیں تھا، ہمارے بوسیدہ کپڑے، آبدار وردیوں سے زیادہ

مضبوط تھے۔ — ہمارے جسموں کے اندر یقین کی روح تھی، ہمارے

زنگ آلود نامکمل ہتھیار، طاقتور برطانوی سپاہ سے زیادہ مکمل اور تیز تھے

اور ہماری طاقت کا انحصار، دلوں کی قوت، آزادی کے ذوق،

اور بازوؤں کی توانائی پہ تھا۔

لیکن ہماری شکست کا سبب قدرتی موانع بن گئے جب ہم پیش قدمی

کر رہے تھے تو دریاؤں میں پانی نہیں تھا اور پہاڑیوں کے دامن خشک

تھے۔ ہماری فوج کے بہت سے سپاہی پانی کی طلب ہی میں مر گئے اور

جب پسپائی اختیار کی، تو برساتی موسم نے دریاؤں میں طوفان برپا کر رکھے

تھے اور پہاڑیاں منجمد برفانی چغے پہنے ہوئے تھیں، جس سے ہمارے بہت سے

سپاہی ڈوب کر لقمۂ اجل ہو گئے۔

موسم کے اس تمسخر نے، اُس نوجوان سپاہی نے حسرت زدہ لہجہ میں کہا،

ہمارے اقدامات موت کے گھاٹ اتار دیئے اور ہمیں چار و ناچار شکست

کا سامنا کرنا پڑا۔

**خون کی طلب:۔** اگست ۱۹۴۲ء میں جب حالات نازک صورت اختیار

کر گئے اور مختلف محاذوں پر شکست کے ظاہری اسباب نمودار ہوئے۔ تو سبھاش بابو نے خود فوج کی کمان سنبھال لی۔

ادھر جاپانی شروع ہی سے حتمی امداد پہ آمادہ نہ تھے۔ بلکہ بعض معاملات کے ضروری حصوں میں مزاحم ہوتے اور ضرورت کے موقعوں پہ ہاتھ کھینچ لیتے تھے۔

حالات کی اس بے رخی کو سمیٹنے کیلئے سبھاش بابو نے بہت جتن کئے مگر پوری کامیابی نہ ہوئی۔ امید و بیم کی اس کشاکش میں آپ نے جوبلی ہال رنگون میں ایک پبلک جلسہ منعقد کیا اور نوجوانوں کی ہمتوں کو للکارتے ہوئے کہا:

"آزادی تمہارے خون کی قربانی مانگ رہی ہے۔ اس کے دروازہ پر تم کو سب کچھ نثار کرنا ہوگا۔ اپنی دولت اپنی جان اپنی اولاد اپنا خون الغرض سب کچھ! تم نے اب تک بہت کچھ دیا ہے سونے کے خزانے پھڑکتے ہوئے بازو، دھڑکتے ہوئے دل مگر آزادی کی پیاس محض اتنے سے نہیں بجھتی آزادی کو آج اپنے ہاتھ سے پھولوں کی مانند اپنے سر چڑھانے والے پاگل پجاریوں کی ضرورت ہے۔ آزادی کی لڑائی میں فتح کی سرخی خون کی بوندوں سے لکھی جاتی ہے۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔"

سبھاش بابو نے مٹھی بھینچ کر زوردار آواز اور گرجتے ہوئے الفاظ میں کہا میں تم سے وعدہ کرتا ہوں، کہ تم مجھے خون دو! اور میں تمہیں آزادی دوں گا

دوں گا۔ ہال میں سناٹا چھا گیا۔ آواز تاروں سے ٹکرا رہی تھی سبھاش بابو کے یہ الفاظ چشمہ صافی کی طرح ابل کر نکل رہے تھے اتنے میں ایک کونہ سے چند نوجوانوں نے کہا ہم ! ہم اپنا خون دیں گے۔

آزادی — زندہ باد

سوبھاش بابو نے گرج کر کہا، یوں نہیں، محض باتوں سے کام نہیں چلے گا آج میرے پاس، خونی عہد نامہ ہے، دیکھیں کون اس پر آگے بڑھ کر اپنے لہو سے دستخط کرتا ہے ؟

کیا نیتا جی کو ہماری بات پر یقین نہیں ؟ مجمع میں سے ایک پنجابی نوجوان نے آواز دی۔

نہیں، یہ بات نہیں، سبھاش بابو نے جواب دیا، میں جس عہد نامے پر دستخط کروا رہا ہوں، اس پر معمولی سیاہی کی بجائے خون ہی سے دستخط ہوں گے۔ اس پر صرف وہی دستخط کر سکتا ہے، جسکی رگوں میں، مادر وطن کی محبت کا خون، بجلی کی طرح دوڑ رہا ہے، ہاں ! وہی دستخط کرے جو اپنی جان کو پھول بنا کر، بھارت ماتا کے قدموں پر نچھاور کرنے کی ہمت رکھتا ہو، تمام لوگوں نے ہم آواز ہو کر جواب دیا، ہم اپنا خون دیں گے۔ ہم اپنا خون دیں گے۔

اتنے میں بھیڑ کو چیر کر ستر ہ نوجوان عورتیں آگے بڑھیں اور کمر میں لگی ہوئی کٹاریوں سے انگلیوں کو زخمی کر کے خون سے عہد نامہ پر دستخط کئے ان کے بعد، گجراتی، مرہٹی، بنگالی، پنجابی، مدراسی نوجوانوں نے مانگنی

(بری چاقو) سے اپنی اپنی انگلی کا لہو نکالا اور نیتاجی کو پیش کیا، آپ نے سب کا خون ایک برتن میں ملا دیا اور پھر اپنی زخمی انگلیوں سے قلم پکڑ کر اس مشترکہ لہو سے آزادی کے عہد نامہ پر دستخط کئے۔

**خون اور صرف خون:۔** امپھال کی شکست کے بعد سبھاش بابو نے، دہلی چلو کے علاوہ خون، خون، خون، کا نعرہ بھی لگایا اور اعلان کیا کہ ہم چالیس کروڑ انسانوں کی تاریخ آزادی کو صرف اپنے خون ہی سے اُجلا کر سکتے تھے۔

**غداروں کو انتباہ:۔** ہزیمت کے بہاؤ نے، بعض طبقوں کو بزدل بنا دیا تھا۔ اور بہت سے لوگ برطانوی سرکار کی جاسوسی اور فرمانبرداری پر آمادہ ہو گئے تھے ظاہر ہے کہ ایک آزاد فوج کیلئے اس سے بڑھکر اور کیا اندرونی خطرہ ہو سکتا تھا۔ ۱۳ مارچ ۱۹۴۵ء سبھاش بابو کے دستخطوں سے حکم نافذ کیا گیا کہ "آزاد ہند فوج میں رہتے ہوئے بزدلی مستوجب سزا ہے اور غداری کی سزا قتل ہے:

جو شخص لڑنے کی ہمت نہیں رکھتا وہ ایک ہفتہ کے اندر اندر بخوشی الگ ہو سکتا ہے۔

اگر اس عام اجازت کے بعد بھی کسی شخص نے بزدلی اختیار کی اور غداری کرنی چاہی تو لازماً اسکی سزا موت ہے۔"

**امپھل کا مورچہ:۔** میجر جنرل شاہ نواز نے روزنامہ "پربھات" کے مدیر کی خواہش پر امپھل کے مورچے کے حالات

قلمبند کئے گئے تھے جو بعینہٖ درج کئے جاتے ہیں۔ اس سے آزاد ہند فوج کی جنگی کارگذاریوں کا پتہ چل سکتا ہے۔

"سب سے پہلے میری فوج نے "کلیوا" کے مقام پہ پڑاؤ کیا۔ ہمارے پاس سامان کافی تھا۔ سکیم یہ تھی۔ کہ آسام کی حدود میں داخل ہو کر ریاست منی پور کی راجدھانی امپھل پر قبضہ کر لیا جائے۔ کلیوا سے امپھل تک دو سڑکیں جاتی ہیں۔ میں نے فیصلہ کیا۔ کہ کلیوا سے اپنے ایک کمانڈر کو ٹیڈم کی طرف روانہ کروں۔ اور خود شمال میں ٹامو کی طرف بڑھ کر کوہیما پر حملہ کروں۔ بلیل کی سڑک پہ اپنے ایک اور کمانڈر کو بھیجا۔ جب میں جنگلوں اور پہاڑوں کو چیرتا ہوا تین ہزار فوج سمیت کوہیما کے محاذ پر پہنچا۔ تو انگریزی فوجیں مقابلہ پہ آ گئیں کوہیما کوئی بڑا مقام نہیں۔ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ ہم نے یہاں اتنے زور کی بمباری کی۔ اور اتنی شدت سے آگ برسائی۔ کہ انگریزوں کی فوجیں وہاں ٹھہر نہ سکیں۔ اور بھاگ کر امپھل کے دائرہ میں جا پہنچیں کوہیما کی لڑائی ہماری فوج نے جس بہادری سے لڑی۔ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ جس جس گاؤں میں ہم جاتے۔ لوگ ہمارا استقبال کرتے۔ ہماری فوج "جے ہند" کے نعرے لگا کر آگے بڑھ رہی تھی۔ "قدم قدم بڑھاتے جا" کا جوش انگیز ترانہ آسمانوں تک گونج رہا تھا۔ ہم نے بہت سے انگریز سپاہیوں کو قیدی بنا لیا۔ اور ان کا سامان چھین لیا۔ کچھ ٹینک اور لاریاں بھی ہمارے ہاتھ آئیں۔

امپھل کے مورچے پر میرا حملہ آزاد ہند فوج کے پہلے معرکہ میں بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ریاست منی پور کی اس راجدھانی کے ارد گرد دشمن نے اپنی دو لاکھ فوج جمع کر رکھی تھی۔ یہ سب کی سب ہندوستانی سپاہیوں پر مشتمل تھی۔

ہمارے جنرل سٹاف کی سکیم یہ تھی۔ کہ ٹیڈم۔ پلیل اور کوہیما سے آگے بڑھ کر امپھل کو محاصرہ میں لے لیا جائے۔ ہمیں اطلاع ملی تھی۔ کہ اس مورچے میں جو دو لاکھ ہندوستانی فوج ہے۔ اگر اسے انگریزوں کے مرکزوں سے جو سلچار کلکتہ اور چٹاگانگ وغیرہ میں تھے۔ کاٹ دیا جائے۔ تو یہ دو لاکھ ہندوستانی ہمارے ساتھ مل جائیں گے چنانچہ ہم نے محاصرہ مضبوط کر لیا۔ اور آزاد ہند فوج بڑھتے بڑھتے بشن پور کے مقام تک پہنچ گئی۔ جو امپھل کے مغرب میں ہے۔ لڑائی کے آخری دنوں میں بشن پور کی لڑائی بہت اہم تھی۔ انگریزی فوجیں جن میں اب گورے اور امریکن شامل ہو گئے تھے۔ جانیں لڑا رہی تھیں۔ لارڈ مونٹ بیٹن اس محاذ کے اتحادی انچارج تھے۔ ہمیں علم تھا۔ کہ یہ کمانڈر ہوائی لڑائیوں میں ماہر ہے۔ اس کی آمد کا مطلب یہی سمجھا گیا۔ کہ انگریز اب ہمارے خلاف ہوائی لڑائی لڑیں گے۔ لیکن امپھل میں ہمارا محاصرہ اتنا مضبوط تھا۔ کہ دشمن کو ہوائی جہازوں کے ذریعہ خوراک، ٹینک اور خچریں وغیرہ اپنی اپنی فوج تک پہنچانی پڑتی تھیں۔ اس حرکت کو روکنے کیلئے ہم نے سلچار کے علاقہ میں فوجی اڈوں پر بمباری کی۔ تاکہ محاصرہ ٹوٹ نہ سکے۔ امپھل کو فتح کرنے کے بعد ہم کلکتہ کی طرف بڑھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

لیکن یکا یک موسم ناموافق ہو گیا۔ بارشیں اتنی شدت سے شروع ہوئیں کہ لاریوں اور ٹینکوں کا چلنا ناممکن ہو گیا۔ پہاڑی سڑکیں بھی ٹوٹنے لگیں اس

مصیبت میں ہماری بہت سی فوج ہلاک بھی ہو گئی ۔ انہیں دنوں امریکن بیڑے نے شانت ساگر میں جاپانی اڈوں پر حملے شروع کر دیئے ۔ اور جاپانیوں نے جو جہاز ہمیں دے رکھے تھے ۔ ان میں بہت سے شانت ساگر کی طرف بھاگے اس سے ہماری طاقت اور بھی کمزور ہو گئی ۔ اور ہمیں پسپا ہونا پڑا ۔ مقابلہ میں امریکن ہوائی طاقت بھی تیز ہو گئی تھی ۔ ہندوستان کی پولیٹیکل حالت میرے اس حملہ کے عین موافق تھی ۔ ملک میں کیا ہو رہا ہے ۔ ہمارے جاسوس ہمیں سب کچھ بتاتے تھے ۔ لیکن نیتا جی نے حکم دیا ۔ کہ پسپا ہو جاؤ ۔ اور ہمارا پسپا ہونا لازمی تھا کیونکہ ہماری ہوائی طاقت کم ہو گئی تھی ۔ اور امریکن فوجیں بھاری اسلحہ اور ہوائی جہازوں کے ساتھ کلکتہ میں اتر چکی تھیں ۔ جنگ میں آگے بڑھنا بھی بہادری ہے اور کامیابی کا موقع نہ دیکھ کر پسپا ہونا بھی ۔ آزاد ہند فوج جنگی اصول کے اس قاعدہ کے ماتحت تھی ۔ جب حالات موافق نہ رہے ۔ تو ہم دریائے چندوین تک پیچھے ہٹ گئے ۔ اتحادیوں کا پلڑا بھاری ہوتا گیا ۔ اور آخرکار ہم نے ہتھیار ڈال دئے ۔ نیتا جی سبھاش بابو آخری دنوں میرے محاذ پر آئے تھے ۔ اگر وہ حکم نہ دیتے تو شاید میرے سپاہی پسپا ہونے کے لئے تیار نہ ہوتے

**خون نہیں نکلی :-** لفٹنٹ کرنل ڈھلون نے، میدان جنگ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے جو ۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو پیش آیا تھا، اس واقعہ کو تاریخ آزاد ہند فوج "مرتبہ منشی عبدالقدیر صاحب" سے من و عن نقل کیا جاتا ہے ۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ آزاد ہند فوج کے سپاہی کس بلا کا حوصلہ اور

عزم رکھتے ہیں' اور "دلی چلو" کے نعرے نے ان کی شریانوں میں لہو کی جگہ سیال بجلیاں دوڑا رکھی تھیں۔

"ہمارا دستہ ایک ایسی جگہ تھا جہاں نگاہ یا گولی کے نشانہ سے بچنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی، بجز ایک سوکھے تالاب کے جو بہت کم گہرا تھا اور جس کے قریب تین اہم سڑکیں آکر ملتی تھیں۔ اس جگہ سے چار میل کے فاصلہ پر شمال مغرب میں ۱۴۲۳ فٹ بلندی کی ایک پہاڑی تھی جس کے پیچھے دشمن کا توپ خانہ تھا جو روڈ جنکشن اور اس کے جنوبی علاقے کی حفاظت کرتا تھا۔ اس اہم مقام پر آزاد ہند فوج کا ایک دستہ سکینڈ لفٹیننٹ گیان سنگھ بشٹ کی زیر کمان تعینات تھا۔ اس دستہ میں صرف ۹۸ جوان تھے۔ ان کے پاس کوئی مشین گن حتیٰ کہ ہلکی مشین گن بھی نہیں تھی' صرف پرانے رائفل تھے۔ جن کو بچاؤ یا حملہ کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے ان کے علاوہ دو مائن بھی تھے انکو حکم تھا کہ دشمن کو کسی صورت سے بھی آگے نہ بڑھنے دیا جائے یہ لوگ دو روز تک اپنے مورچہ پر ڈٹے رہے لیکن دشمن کو آگے بڑھنے کی جرات نہ ہوئی۔ ۱۶ مارچ ۱۹۴۵ء کو دن نکلنے سے پہلے دشمن کے ہوائی جہازوں نے ان کے مورچہ پر بمباری اور مشین گنوں سے فائر شروع کر دیا۔ اور گیارہ بجے تک بمباری کرتے رہے اپنے بموں کا تمام ذخیرہ ختم کرنے کے بعد ہوائی جہاز واپس چلے گئے۔ اس کے بعد دشمن کی توپوں نے پہاڑی کے پیچھے سے گولہ باری شروع کر دی اور گولہ باری کی آڑ میں موٹر سوار فوج کا ایک دستہ بڑھا جس کے پاس ۱۳ ٹینک ۱۱ بکتر بند گاڑیاں اور دس ٹرک تھے۔ دشمن کی

بکتر بند گاڑیاں دھڑا دھڑ گولہ بارود برسا رہی تھیں لیکن آزادی کے ان مجاہدوں میں ذرا بھی ہراس یا گھبراہٹ پیدا نہیں ہوئی اور وہ دشمن کا نہایت جواں مردی سے مقابلہ کرتے رہے۔ ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں فولادی دیو ہیکل کی طرح آگ برساتی ہوئی اتنے قریب پہنچ گئیں کہ ہمارے بچنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔ ان کے راستے میں ہمارے جوانوں نے دو بارودی سرنگیں پھونکیں لیکن بدقسمتی سے وہ پھٹ نہ سکیں لیکن پھر بھی انہوں نے دشمن کو مزید آگے بڑھنے سے روک دیا مگر وہ ایک ساکن پل بوکس بن گئے جہاں سے انسان کو ہلاک کرنے کے لئے اندھا دھند گولہ بارود برسنے لگا۔

اس چوکی اور بٹالین ہیڈ کوارٹر کے درمیان پیام رسانی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جب سکینڈ لفٹیننٹ گیان سنگھ نے دیکھا کہ ان کے رائفل کی فائر دشمن کے ٹینکوں، توپوں اور مشین گنوں کے مقابلہ میں بے معنی ہے۔ اور خندق میں ڈٹا رہنا خودکشی کے مرادف ہے تو انہوں نے اپنے جوانوں کو ہلا بولنے کا حکم دے دیا۔ انہوں نے "نیتاجی کی جے" "انقلاب زندہ باد" "آزاد ہندوستان زندہ باد" اور "دلی چلو" کے نعروں کے درمیان حملہ شروع کر دیا۔ ان کے تمام ساتھیوں نے ان نعروں کو دہرایا۔ اور آسمان گونج اٹھا۔ دشمن کے خوفناک ہتھیاروں کے مقابلہ کے لئے ان بہادر سپاہیوں کے پاس صرف ایک ہی ہتھیار تھا۔ ہندستان کا احساس اور اس کی آزادی کا جذبہ، اس وقت انہوں نے اسی ہتھیار سے کام لیا - دشمن نے فوراً ہی جواب دیا۔ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی جو پورے دو گھنٹہ تک جاری رہی لیکن ہمارے

بہادر سورما برابر ڈٹے رہے ان میں سے ۔ ۸ جوان کام آئے ۔ مگر دشمن کے اس سے کہیں زیادہ آدمیوں کو ٹھکانے لگا دیا۔ ان کے غیر مغلوب عزم اور غیر مفتوح حوصلہ نے دشمن کا دل ہلا دیا اور وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا۔

اس وقت سیکنڈ لفٹیننٹ گیان سنگھ نے تیسری بٹالین کے کمانڈر سیکنڈ لفٹیننٹ امر سنگھ کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ عین اسی وقت ان کے سر میں ایک گولی لگی اور وہ ہمیشہ کے لئے چل بسے۔ اس کے بعد سیکنڈ لفٹیننٹ امر سنگھ نے باقی جوانوں کو جمع کیا۔

سیکنڈ لفٹیننٹ گیان سنگھ اپنے جوانوں سے کہا کرتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ مروں گا اور انہوں نے اپنا قول پورا کر دیا اور آخر تک ان کے ساتھ رہے۔ لیکن تا کجے! آخر بے سروسامانی رنگ لائی اور حالات بدلنے شروع ہوئے، انہی حالات میں بارش شروع ہو گئی اور حالات نازک سے نازک تر ہو گئے۔ ادھر جاپانیوں نے دھوکا دیا۔ صرف یہی نہیں کہ ایک اتحادی کی حیثیت سے اپنے فرائض ادا کرنے سے قاصر رہے بلکہ ایک عام انسان کی حیثیت سے ان پر جو ذمہ داری عاید ہوتی تھی، اسے بھی پورا نہیں کیا۔ عین مصیبت کی حالت میں انھیں چھوڑ کر بھاگ گئے، کتنے زخمی سسک کر اور کتنے بہادر فاقہ سے تڑپ تڑپ کر مر گئے، مگر انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

**شاہنواز کی ڈائری:-** میجر جنرل شاہنواز کی ڈائری کے چند صفحوں سے بھی آزادی کی اس فوج کے بعض اشارات

ملتے ہیں، اور ان سے ایک مورخ، تفصیلات کی بڑی عمارت، ظن و تخمیں
سے الگ رہ کر بنا سکتا ہے۔

## ۱۹۴۴ء

۱۷ مارچ :- اطلاع ملی ہے کہ دو سو فوجی ٹڈم سے بھاگ گئے ہیں اور
اس وقت تالام کے مغرب کالنگھ کو ہیں تقریباً ۶ میل
کے فاصلہ پر ہیں، انہیں گرفتار کرنے کے لئے رام سنگھ اور سکندر کو حکم دیا گیا۔

۷ جون :- لوگوں کے پاس راشن نہیں رہا۔ چار گڑھوالی فاقہ سے مرگئے
ہیں اور رام سروپ راشن کے انتظام کے سلسلہ میں محکمۂ ہیکاری لیکن گئے
وہ اس کی بالکل فکر نہیں کر رہا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس غفلت اور
بے پروائی کی تہہ میں کیا اسباب کام کر رہے ہیں۔

۵ جولائی :- فاقے سے پروانوں کی طرح لوگ مر رہے ہیں۔ کچھ
لوگ خودکشی بھی کر رہے ہیں۔ جاپانی کوئی مدد نہیں کر رہے ہیں۔

۸ اگست :- پیارا، یودا سے واپس آیا۔ کیم واری سے روپے پیسے
کی کوئی مدد نہیں ملی۔ انہوں نے مشورہ دیا ہے کہ تیزدل کے مریضوں کو
خودکشی کر لینی چاہئے۔

## ۱۹۴۵ء

۱۱ مارچ :- خان محمد نے سادی پر حملہ کیا۔ تقریباً دو گھنٹہ تک نہایت
خوفناک دست بدست جنگ ہوئی۔ دشمن کے کم از کم دو سو آدمی زخمی ہوئے
ہمارے آدمیوں نے نیتاجی کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے نہایت بہادری
سے لڑائی لڑی۔ ہماری فوج سے صرف ایک شہید اور ۱۶ زخمی ہوئے۔

۱۹ر مارچ :- ڈھلون سے ان کے ہیڈ کوارٹر کھابوک میں ملا۔ محمد حسین اور خان محمد سے بھی ملا فوجیوں کو نہایت مطمئن اور خوش پایا۔ حالانکہ انھیں دو حملوں کا مقابلہ کرنا پڑا ہے۔

۸ر اپریل۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ برمی فوج نے جاپانیوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔

۱۸ر اپریل۔ کرنل حسین سے ملا۔ موجودہ حالات سے انھوں نے مجھے آگاہ کیا نگوے میں قیام کیا۔ حالات بہت تیزی سے بدل رہے ہیں۔ انگریزوں نے ٹونگ ونگی پر قبضہ کر لیا ہے، جاپانی اور آزاد ہند فوج جوابی حملے کر رہی ہے پانچ ٹینکوں نے ہم پر حملہ کیا۔ دو گھنٹے کی جنگ کے بعد وہ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوئے۔ سہگل نے تار سے اطلاع کی کہ وہ ٹونگ ونگی کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ راشن ختم ہو گیا، کچھ فوجیں دریا پار منبو کی طرف روانہ ہو گئیں۔

۱۹ر اپریل۔ کچھ اور فوجیں پوپا سے آگئی ہیں۔ اے۔ بی اور جاگیر آگئے، رام سروپ کی کوئی اطلاع نہیں۔ برطانوی ٹینک نگوے میں گھس آئے، منظم مدافعت نہ کی جا سکی۔ نگوے پر ان کا قبضہ ہو گیا۔ ۲ بجے سے صبح تک سفر کیا۔ کانی پر دریا پار کیا اور چند آدمیوں کے ساتھ مغرب کی طرف روانہ ہوا۔ حسین، گپتا، مہرداس، سب لاپتہ ہیں۔

۲۸ر اپریل۔ منڈے میں قیام کیا۔ رام سروپ اور ڈی۔ سی۔ ینگی، آگے روانہ ہوئے۔ کاما کے لوگوں کے متعلق رپورٹ موصول ہوئی۔

یکم مئی۔ پرومے کے شمال میں ۵ میل پر ایک گاؤں میں پہنچا۔ دن وہیں گزارا

معلوم ہوا کہ ہمارے آدمی، مول مین کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جاپانیوں کا کہنا ہے کہ ٹنگو پر اب تک ان کا قبضہ ہے اور سیام کا راستہ بدستور کھلا ہوا ہے ہم گھیرے سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ تمام مریض اور زخمی پیچھے چھوٹ گئے۔

۴ر مئی۔ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں پورا دن گذارا۔ دن بھر بارش ہوتی رہی۔ جاپانی عین مصیبت کے وقت ہمیں چھوڑ بھاگے، وہ بھاگے جا رہے ہیں۔ انھیں ہماری کوئی فکر نہیں۔ آج رات کو ہم بہت کم آگے بڑھ سکے۔

۷ر مئی ۸ بجے صبح :۔ رات بھر سفر کرنے کے بعد ٹیکچی کے شمال میں، ۱ میل پر ایک گاؤں میں پہنچا۔ فوجوں میں بے دلی سی پیدا ہو گئی ہے، ڈسپلن جاتا رہا، ڈھلن پر ایک فوجی نے حملہ کیا۔ لیکن خوش قسمتی سے نشانہ غلط گیا، ۸ بجے صبح گاؤں سے روانہ ہوا اور آدھی رات کو ٹیچی پہنچا، زگون کا راستہ بند ملا۔

۱۲ر مئی :۔ ۷ بجے صبح روانہ ہوا اور ۱۰ بجے واٹا پہنچا۔ دن بھر آرام کیا یہاں معلوم ہوا کہ پیگو پر دس دن سے انگریزوں کا قبضہ ہے اور واؤ ان کے قبضہ میں ہے۔ ادھر سے نکلنے کی اب کوئی امید نہیں۔ مزید معلومات کے لئے دوسرے گاؤں میں ایک گشتی دستہ بھیجا، واٹا میں رات بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

۱۳ر مئی :۔ مکمل اطلاع ملی۔ برطانیہ کا قبضہ ہے۔ ہم گھیرے میں آ چکے ہیں بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ ۷ بجے شام کو اپنے گاؤں سے جنگل چلا گیا اور لوگوں کو واقعات کی اطلاع دی، اکثریت نے جنگی قیدی بننے کا مشورہ دیا، مگر میں ابھی

ہتھیار ڈالنے پر آمادہ نہیں ، برما کے جنگل میں ابھی مزید خاک چھاننے کا ارادہ ہے ۔

۱۴ / مئی :- جنگی قیدی کی پارٹی ۱۰ بجے میجر جاگیرادر لے ، بی کے چارج میں روانہ ہوئی ۔ میری پارٹی جس میں ڈھیلن ، میجر مہر داس اور ۸۰ سپاہی شامل ہیں ، قسمت کے فیصلے کے منتظر ہیں چار بجے شام کو ایک گاؤں سے جو پیگو کے مغرب میں سات میل پر واقع ہے روانہ ہوئی ، لوگا گاؤں میں پہنچے جو پیگو سے ۱۶ میل کے فاصلے پر ہے ۔ یہاں بہت سے جاپانی بھی ہیں اس کے تمام باشندے برطانیہ کے سخت حامی ہیں ۔ اب ہماری تعداد صرف ۴۹ رہ گئی ہے ۔

۱۷ / مئی :- تقریباً آدھی رات کے وقت ہم لوگ سپن زو گاؤں میں داخل ہو رہے تھے کہ پنجاب رجمنٹ (۱/ ۲) نے ۱۵ گز کے فاصلے سے ہم پر بے پناہ گولیاں برسائیں ، شہری رہنما مارا گیا ، میرا بیگ کھو گیا ، رات جنگل میں گذاری ۔ ۸ بجے صبح کو روانہ ہوا ، مگر تمام راستہ بند پایا ۔ ۶ بجے شام کو ۱/ ۲ رجمنٹ نے گرفتار کر لیا اور پیگو لا کر ، جیل میں بند کر دیا ۔

**کرنل سہگل کی ڈائری :-** کرنل سہگل کی ڈائری بھی اس سلسلہ کی ایک اہم دستاویز ہے ، اس کے بعض صفحوں سے فوج کی گراں جانی اور مشکلات کی گھناونی رنگت معلوم ہوتی ہے مثلاً ایک صفحہ پر لکھا ہے ۔

جاپانی افسر ہماری آزاد ہند فوج کے سپاہیوں کو قلی کے طور پر استعمال کر رہے ہیں ، میں حیران ہوں کہ اس یکطرفہ تعاون کا نتیجہ کیا ہوگا ، جاپانیوں کا

رویہ معقول نہیں، ـــــ

دوسرے صفحہ پہ درج ہے

بھوک کی وجہ سے ہمارے آدمی مکھیوں کی طرح مر رہے ہیں اور کئی خودکشی کر رہے ہیں مگر جاپانی افسران کی خوراک کا کوئی انتظام نہیں کرتے۔

اسی طرح ڈائری کے اور اندراجات بھی ہیں مثلاً

۴ر مارچ ۱۹۴۵ء کو پانچویں گوریلا رجمنٹ کی برٹش پٹرول سے مڈبھیڑ ہوئی، دو وائرلیس سیٹ قبضہ میں آ گئے۔

۱۴ر مارچ کو چوتھی رجمنٹ کے نوے یا سو آدمیوں نے کمانڈر لفٹیننٹ ڈھلون کی زیر راہنمائی کا بوک ہٹرانگ کے علاقہ میں، مقابلہ کیا برطانوی فوج کے چار گورکھے سپاہی ہلاک اور پانچ زخمی ہوئے۔

۵ر اپریل کو ڈھلون نے ایک پہاڑی پر تیس دفعہ یلغار کی اور آخر کار اس پہ قبضہ کر لیا، دشمن کے تین سو آدمی ہلاک ہو گئے اور عظیم نقصان اٹھایا

۶ار اپریل کو لفٹیننٹ لیٹین کی فراری سے آزاد ہند فوج کے افسروں اور سپاہیوں میں گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔

اس پہلے مارچ میں چار میجر ڈی، مدن، ریاض، اور غلام سرور بھاگ چکے تھے اور فوج کا احساس دیکھی متزلزل ہو رہا تھا لیکن پھر بھی کئی سپاہی وفادار تھے، چھ دہویں فوج رمیک ٹیلا کی فتح یابی کے بعد اس تیزی سے بڑھی کہ پھر بدا خلت اور ٹھہرنا مشکل ہو گیا۔

شکست ۔۔۔ جب حالات بالکل بے قابو ہو گئے تقدیر کا سورج گہن میں

آگیا۔ موسم نے ایشیائی معشوق کی طرح آنکھیں بدل لیں۔ اور جاپانی خزاں دیدہ پتوں کی طرح جھڑ گئے تو ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

سبھاش بابو ۲۴ اپریل کو رنگون سے بنکاک کی طرف پرواز کر گئے، آپ نے برما کی دلآویز پہاڑیوں اور شگفتہ میدانوں پر حسرت کی نگاہ ڈالی۔ ترنگا پھریرا اسی شکوہ کے ساتھ، افسردہ فضا میں لہرا رہا تھا، آپ نے جاتے وقت پیغام دیا۔

بھائیو اور بہنو۔

میں دکھی دل کے ساتھ برما کو چھوڑ رہا ہوں جنگ آزادی کے پہلے معرکے میں ہمیں شکست ہو گئی۔ لیکن ابھی کئی اور معرکے باقی ہیں، مایوس ہونا جوانمردی کے آئین میں جرم ہے۔

ہندوستانی دوستو!

تم نے اپنی مادر وطن کے لئے جس بے لوث قربانی، بے پناہ ایثار اور مزیمت نا آشنا حوصلوں کا ثبوت دیا، اس کو نہ تاریخ بھلا سکتی ہے اور نہ آئندہ نسلیں فراموش کر سکتی ہیں، تمہارے اقدامات نے تمہیں زندہ جاوید کر دیا ہے، اس سرزمین کا ذرہ ذرہ تمہاری شجاعت پر زبان سپاس کھولے ہوئے ہے۔

میں تمہارے ان کارناموں کے لئے، اپنے ساتھ فخر و مسرت کے جذبات لے جا رہا ہوں،

حوصلہ نہ ہارئیے آپ کو پھر میدان آزادی میں کودنا ہے، اور ابھی وہ دن

مستقبل کے پردے میں مزید قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے۔

میں برما کو اپنی خواہش سے نہیں چھوڑ رہا ہیں نتائج و عواقب سے عہدہ برا ہونے کے لیے یہیں ٹھیرنا چاہتا تھا لیکن وزرا اور دوسرے ذمہ دار ارکان میرے باہر چلے جانے پر مصر ہیں! میں پیدائشی یقین پرست ہوں، آزادی ہند پر میرا راسخ ایمان ہے، میں دیکھ رہا ہوں، دن کے اُجالے میں جو یہ رات کا ٹمیالہ پن پیدا ہو گیا ہے، زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا اندھیرا اب صرف چند لمحوں کا مہمان ہے

جے ہند

۲۸ر اپریل ۱۹۴۵ء کو کپتان سہگل نے بطور جنگی قیدی اتحادی کمانڈر کے آگے ہتھیار ڈال دئیے اور ۱۷ مئی کو میجر جنرل شاہ نواز اپنے ہمراہیوں سمیت گرفتار ہو گئے۔

اس طرح ایک اُجالا، جو سنگاپور کے اُفق سے اُبھرا برما کی کوہستانی چوٹیوں پر پھیلا، اور پھر اتحادی سپاہ کے اندھیرے میں غائب ہو گیا،

اب صرف، برما کی وادیوں کے سرخ رنگ پھول شہیدان آزادی کے لہو کی داستان سرائی کرتے ہیں

**آزاد ہند فوج کی سیرت:** آزاد ہند فوج کے دو دور تھے۔ ایک دور سبھاش کی آمد سے پہلے کا تھا دوسرا دور سبھاش کی آمد پر شروع ہوا۔ پہلے دور میں دوسرے دور کا رنگ ڈھنگ نہیں تھا۔

اُس وقت تک عمومی خیال یہی تھا کہ جاپانی انہیں اپنی مرضی کے مطابق استعمال

کرنا چاہتے ہیں، جنرل موہن سنگھ کی گرفتاری نے اس خیال کو اور بھی تقویت پہنچائی، دوسرے دور میں فضا کا رنگ ہی پلٹ گیا، اور پوری فوج میں ایک مضبوط لگن، ایک اُجلا تصور اور ایک انمٹ جذبہ اُبھر آیا۔

چنانچہ واقعات کا جائزہ شاہد ہے کہ آزاد ہند فوج نے کس بے جگری، استقامت اور ایثار کے ثبوت بہم پہنچائے اور پھر کس سرعت سے اس میں اضافہ ہوتا گیا۔

دراصل اس کی تہہ میں، جیسا کہ میجر جنرل شاہنواز نے ایک تقریر میں بتایا تھا، آزادئ وطن کا عظیم الشان احساس کام کر رہا تھا، ایک دفعہ سبھاش بابو نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ انقلابی فوج کی قومی طاقت شراب اور شور سے نہیں بنا کرتی بلکہ اس کی بناوٹ میں، بہادری، قربانی، حوصلہ مندی اور برداشت کے انمول اجزا ہوتے ہیں۔

آزاد ہند فوج کے سپاہیوں میں یہ تمام خصائص نہایت فراوانی سے پیدا ہو گئے تھے۔

سبھاش بابو نے جب خون خون کا نعرہ لگایا اور نوجوانوں نے میدان جنگ کا رخ کیا تو آپ نے اُس وقت بھی یہی کہا تھا کہ میرے پاس صرف چار چیزیں ہیں۔ بھوک۔ پیاس۔ برہنگی اور موت۔

چنانچہ تمام فوج ہر محاذ پر انہی سے دوچار ہوئی، بھوک سے بلک بلک کر جان تیاگ دی، پیاس نے روح و جسم کا پیوند کاٹ دیا، برہنگی نے لباس کی آرائش کھو دی، موت نے قدم قدم پر شکار کیا، لیکن مجاہدوں کے اس

قافلہ نے اپنے حوصلے کی آبرو ضائع نہ ہونے دی۔

شاہنواز نے دفترِ احرار میں بتایا تھا، کہ امپھال کی طرف بڑھتے وقت ہمارے کپڑے بالکل شکستہ تھے جاپانیوں کی بدعہدی کے باعث خوراک نہ ملنے سے ہم گھاس پھوس، اور درختوں کے پتوں پر گذارا کر رہے تھے، مگر سورج سے بڑھکر روشن ایک ذوق تھا جس نے قدموں میں تیزی اور حوصلوں میں توانائی پیدا کر رکھی تھی ہم بڑھتے جا رہے تھے، آندھی کی طرح کوند رہے تھے بجلی کی مانند، گرج رہے تھے بادلوں کی طرح اور مسکرا رہے تھے سپیدہ صبح کی مانند۔

ان مصائب کے باوجود آزاد ہند فوج کا چلن قابل فخر تھا حوالدار نواب خاں نے اپنی شہادت میں بتایا کہ اس فاقہ کشی اور عریانی کے علی الرغم ہم آس پاس کے گاؤں میں جاکر وہاں کے باشندوں کو نہیں لوٹتے تھے بلکہ جنگل کے پھلوں پھولوں اور پتوں ہی سے غذا کا کام لے لیتے تھے۔ الیاس خاں سپاہی نے شہادت میں کہا کہ ہمیں کرنل شاہنواز کی طرف سے حکم ملا ہوا تھا کہ ہم ہندوستان پہنچیں تو بڑوں کو ماں باپ اور چھوٹوں کو بہن بھائی سمجھیں۔ خلاف ورزی کی صورت میں گولی سے اڑا دینے کا حکم تھا۔

دوران جنگ میں بعض حالتیں ایسی بھی رونما ہوئیں جب آزاد ہند فوج کے آدمیوں پر برطانوی حکام کی طرف سے ترغیب و تحریص کا پھندا اچھالا گیا لیکن آزادی کے سپاہیوں نے غداری کی دلکشی پر آلام کی بے رونقی کو ترجیح دی، اور ضمیر کشی سے انکار کر دیا۔

گو اس فوج کو شکست ہوئی لیکن، ہندوستان کی آئندہ نسلوں کے لئے،

شعلہ حریت کی اس اٹھان نے بعض ایسے خاکے مہیا کر دئے، جو مستقبل میں ایک فیصلہ کن جنگ کی سیرت کو ترتیب دے سکتے ہیں۔

**غلطیہا مضامیں مت پوچھ:۔** حکومت ہند نے آزاد ہند فوج پر جاپان کی کٹھ پتلی ہونے کا الزام لگایا تھا، لیکن فوجی افسروں کے مقدمات نے اس الزام کی قلعی کھولدی، اور خود سرکاری گواہوں نے اقرار کر لیا کہ آزاد ہند فوج ایک باقاعدہ، آزاد، اور مہذب فوج تھی اس کو جاپانیوں سے صرف اتنا ہی واسطہ تھا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کی اتحادی تھیں، جاپانیوں نے راستہ میں جس طرح دغا کی وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ آزاد ہند فوج، کا سارا نقشہ خود مختار اور آزادانہ تھا۔

شاہنواز، سہگل اور ڈھلوں وغیرہ کی ڈائری کے اوراق، عدالتی بیانات اور دوسرے واقعات کے تجزیہ سے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں، اُن کا فیصلہ بھی آزاد ہند فوج کے حق میں جاتا ہے مثلاً یہ تسلیم شدہ حقائق ہیں کہ:۔

(۱) آزاد ہند فوج کا ڈھانچہ اور سانچہ خود ہندوستانی افسروں کا تیار کردہ تھا۔ جس کو عارضی حکومت ہند کی حمایت حاصل تھی۔

(۲) اس کا باقاعدہ آئینی دستور تھا، جس کو لفٹیننٹ ناگ نے کرنل حبیب الرحمٰن اور کرنل دل سکھ مان کے حکم سے تیار کیا تھا۔

(۳) جاپانیوں نے اسکی ہیئت ترکیبی، ضوابط، فیصلوں اور اقدامات سے بارہا اختلاف کیا، لیکن سبھاش بابو نے اپنی بہبود کی کسی صورت

میں بھی ترک نہ کی۔

(۴) برما کی لڑائی کا بیشتر حصہ اپنی مرضی اور رائے سے آزاد ہند فوج نے لڑا گو جاپانی اس سے اتفاق نہ کرتے اور بارہا مزاحم ہوتے تھے۔

(۵) میجر جنرل شاہنواز نے امپھل کے مورچے کی جو روداد "برہھات" میں لکھی ہے اس میں انہوں نے تحریر کیا ہے، کہ جاپانی جرنیل اپنی خاص افواج کے سہارے ہی ہندوستان پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔ اس پر سوچ بچار کیلئے ہماری اور اُن کی ایک مشترکہ میٹنگ ہوئی، نیتاجی نے انہیں منع فرمایا کہ ان کا خیال درست نہیں ہے، جاپانی جرنیلوں نے اصرار کیا اور کہا کہ آزاد ہند فوج کے سپاہی، برطانوی فوج کی روایات کے پیرو ہیں، وہ ایک طرح کی مشینری ہیں، محب الوطن نہیں، سبھاش بابو نے اس رائے کی شدید مزاحمت کی اور اپنی فوج کی عقیدت وطنی کو سراہا، بالآخر ان کی رائے کو جیت ہوئی، اور جاپانی اپنے ارادے سے دستبردار ہو گئے،

(۶) جاپانی، آزاد ہند فوج کے ایک ایک دستہ کو اپنے ساتھ ملا کر مختلف محاذوں پر لڑنا چاہتے تھے، سبھاش بابو نے اس صورت حال کو اپنی فوج کی وحدت کے منافی سمجھا۔ اور شدید اختلاف کیا، حتیٰ کہ اپنے محاذ کی جداگانہ نوعیت کو قائم رکھا۔

(۷) بعض سرکاری گواہوں نے اپنے بیانوں میں تسلیم کیا کہ ہمیں جاپانی سپاہیوں کی دست درازی کا جواب دینے کا اختیار تھا۔ اور ہدایت کی گئی تھی کہ ہندوستان پہنچکر اگر جاپانی سپاہی، عورتوں کے بارے میں بدمعاملگی کریں تو انہیں پہلے زبان سے روکنے اور پھر نہ ماننے کی صورت میں گولی سے اڑا دینے کی اجازت ہے۔

(۸) ایک گواہ نے بیان میں کہا کہ بشرط ضرورت ہمیں جاپانیوں سے بھی لڑنے

میں دریغ نہ تھا۔

(۹) جاپانیوں نے جس قدر اسلحہ بھی مہیا کیا تھا اس کے عارضی حکومت سے نقد دام وصول کئے تھے۔

(۱۰) ذہنی اختلاف کی رونمائی پر جاپانیوں نے ہر معاملہ میں بدعہدی کی امپھل کے مورچے سے ہوائی جہاز واپس منگا لئے۔ غذا کا انتظام نہ کیا، بیشتر سپاہیوں کی عزت نفس کو صدمہ پہنچایا، اور بھوکوں مرتی فوج کو موسمی درندگی کے حوالے کر کے واپس ہو گئے۔

مذکورہ بالا تصریحات سے ظاہر ہے کہ آزاد ہند فوج کا نظام تامہ جاپان کے ماتحت نہیں تھا، جاپانی اسی طرح آزاد ہند فوج کے اتحادی تھے جس طرح جنرل ڈیگال کی آزاد فرانس فوج کا برطانیہ حلیف تھا۔

موسم بگڑا تو جاپانی بھی بگڑے، حالات اُلٹے تو انہوں نے بھی آنکھیں پھیر لیں، اور بالآخر تقدیر کے ساتھ یہ بھی پلٹ گئے۔

تاریخ کے اوراق کھلے پڑے ہیں اور مورخ سر کہ بہ جبیں کچھ سوچ رہا ہے

---

غالباً غالب کا یہ شعر اُس کے ماتھے کی خاموش الجھنوں کو سلجھا رہا ہے:—

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ
لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

---

# عارضی حکومت

شاہراہ حیات پر خوابوں کے جزیرے بھی ہیں اور حقائق کے مرغزار بھی، بہار کے موسم میں رنگ رنگ کے پھول اُگ آتے ہیں اور ہر سمت خوبصورتی بکھر جاتی ہے لیکن خزاں کی خراب کاری ان سب کو سمیٹ کر اڑا لے جاتی ہے۔

مشرقی ایشیا میں آزاد ہند لیگ کی بیشمار شاخیں قائم ہو چکی تھیں اور تقریباً ساڑھے سات لاکھ ہندوستانی ان کے ممبر تھے ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۴۳ء کو ان شاخوں کے منتخب نمائندوں کا ایک خصوصی اجلاس سنگاپور میں بصدارت شری سبھاش چندر بوس منعقد ہوا۔ آپ نے لوگوں کو آزاد ہند حکومت کے قیام کی خبر سنائی اور اپنی کابینہ کے ممبروں کا اعلان کیا،

جب آپ نے اپنے وزراسمیت، ہندوستان کی وفاداری کا حلف اُٹھایا، اور آزادیٔ ہندوستان کا عہد کیا تو مجمع فرطِ مسرت سے نہال ہو رہا تھا اور فضا میں نعرہ ہائے انقلاب، غیر مرئی ابرپاروں کی طرح تیر رہے تھے۔

**عارضی حکومت کا منشور:-** اسی روز آپ نے عارضی آزاد ہند حکومت کے "مقتدر اعلیٰ" کی حیثیت میں ذیل کا منشور جاری کیا جس پر تمام ارکان حکومت کے دستخط تھے۔

بنگال میں، برطانوی سپاہ کے ہاتھوں ۱۷۵۷ء میں پہلی شکست اُٹھانے

کے بعد، ہندوستانیوں نے لگاتار ایک صدی تک، نہایت جوانمردی اور جاں سپاری کے ساتھ، مختلف جاں گسل معرکوں میں، حصہ لیا، اس ایثار پیشگی اور بے مثال بہادری کی مثالیں، تاریخ کے اوراق میں ڈھونڈھے ہی سے ملا کرتی ہیں۔

بنگال کے سراج الدولہ اور موہن لال، جنوبی ہند کے حیدر علی، ٹیپو سلطان، اور ویلو ہمی مہاراشٹر کے آپا صاحب بھونسلے اور پیشوا باجی راؤ، اودھ کی بیگمات، پنجاب کے سردار شام سنگھ اٹاری والے، اور آخر میں مہارانی جھانسی، تانتیا ٹوپی، مہاراج کنور سنگھ ڈمراؤن اور نانا فرنویس وغیرہ سورماؤں کے نام تاریخ کی کاغذی سلوں پر سنہرے حروف سے کُھدے ہوئے ہیں۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے اسلاف شروع میں اس بات کا اندازہ نہ کر سکے کہ برطانوی حکومت مجموعی ہندوستان کیلیے، ایک خطرہ ہے اور اسی باعث، انہوں نے دشمن کے خلاف کوئی متحدہ محاذ نہ بنایا۔

آخر کار جب ہندوستانیوں کو صورت حال کا قطعی احساس ہوا تو انہوں نے ایک متحدہ قدم اٹھایا اور ۱۸۵۷ء میں بہادر شاہ ظفر کے جھنڈے تلے اپنی آخری جنگ آزادی لڑی، آغاز کی بعض، شاندار کامیابیوں کے باوجود، ان لوگوں کا ستارہ گردش میں تھا، غلط اور بدنصیب راہنمائی کی بدولت انہیں ہار ہوگئی،

تاہم قوم کی لوح حافظہ پہ رانی جھانسی، تانتیا ٹوپی، کنور سنگھ اور نانا صاحب کے شجاعانہ کارنامے نقش ہو چکے ہیں، جو ہمیں اب بھی قربانی و ایثار کی بلند ضرورتوں کے لئے اُبھارتے اور اُکساتے ہیں،

۱۸۵۷ء کے بعد ہمیں غیر مسلح کر دیا گیا، اور ہندوستانی زندگی کے چاروں طرف مظالم و مصائب کی دیواریں چُن دی گئیں ان حالات میں ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی گئی۔ جو قومی بیداری کا ایک نیا دیباچہ تھا۔

۱۸۸۵ء سے جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے خاتمہ تک ہندوستانی عوام نے اپنی گمشدہ آزادی کے حصول کی خاطر ہر ممکن طریقہ اختیار کیا، احتجاج، پراپاگنڈا، برطانوی اشیا کا مقاطعہ، ہڑتال، مزاج خراب کاری اور پھر مسلح انقلاب، لیکن وقت نے ان تمام کوششوں کے ماتھے پہ ناکامی کی مہر لگادی۔

۱۹۲۰ء میں جبکہ ہندوستانی لوگوں کا ذہن شکست خوردگی کے احساس سے زخمی ہو رہا تھا، مہاتما گاندھی، تعاون اور سول نافرمانی کا نیا اور آزمودہ ہتھیار لے کر آگے بڑھے، یہ ایک نیا طریقہ تھا۔ بیس برس تک ہندوستانیوں نے آزادی کی مساعی پورے جوش و ہمت سے جاری رکھیں، ہر گھر میں آزادی کا پیغام پہنچایا، راہنماؤں نے اپنی ذاتی مثالوں سے لوگوں کو آزادی کے لئے مٹنے اور مرنے کا سبق دیا، اور شہری زندگی کے بڑے بڑے مرکزوں سے

لے کر دیہی زندگی کی چھوٹی چھوٹی آبادیوں تک سب ایک سیاسی تنظیم میں پرو دیئے گئے۔

اس سے یہی نہیں کہ ہندوستانیوں کا سیاسی شعور جاگ اُٹھا بلکہ اُن میں ایک دفعہ پھر سیاسی یکجہتی پیدا ہو گئی اب وہ ایک آواز اور ایک یقین کے ساتھ اپنی مشترک منزل کے راہ نورد تھے۔

۱۹۳۷ء سے ۱۹۳۹ء تک کے زمانہ میں کانگریس نے آٹھ صوبوں کی وزارتیں سنبھال کر اس امر کا ثبوت بہم پہنچا دیا کہ ان میں انتظامی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی صلاحیت اور قابلیت بدرجہ اتم موجود ہے،

موجودہ جنگ کے چھڑنے تک ہندوستان اپنی جدوجہد آزادی کے فیصلہ کن مرحلے میں پہنچ چکا تھا، اُدھر جرمنی نے اپنے اتحادیوں کی مدد سے ہمارے دشمن کو یورپ میں نہایت گہرے چرکے لگائے ادھر جاپان نے مشرقی ایشیا میں اسکی شہ رگ پر چوٹ لگائی۔

ظاہر ہے کہ حالات کا یہ بہاؤ ہندوستانیوں کے لئے پُر مسرت ہے وہ اس عظیم موقعہ سے فائدہ اُٹھا کر اپنی قومی آزادی حاصل کر سکتے ہیں۔

جدید تاریخ میں پہلی دفعہ غیر ملکوں کے آباد ہندوستانی سیاسی اُٹھان کے ساتھ ایک جماعتی نظام میں جمع ہو گئے ہیں، وہ ہندوستان میں رہنے والے اپنے وطنی بھائیوں کے ساتھ جذبات اور خیالات ہی میں متحد نہیں بلکہ شاہراہ آزادی پر ان کے قدم بقدم شریک ہیں۔

خاص طور پر مشرقی ایشیا میں، ۲۰ لاکھ ہندوستانیوں کی ایک مضبوط

صف بندی ہے جو ان میں عسکری اتحاد کی روح پھونک رہی ہے اور ہونٹوں پہ دہلی چلو کا نعرہ ہے،

برطانوی حکومت نے اپنے ظاہر و باطن کی غیر یکسانی سے ہندوستانیوں کو اس سے بددل کر دیا ہے اور لوٹ کھسوٹ کی حکمت عملی سے انہیں بھوک اور موت کی دہلیز پہ پہنچا دیا ہے اس طرزِ عمل سے حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئی ہیں اور وہ ایک مشتبہ و غیر مستقل زندگی گذار رہی ہے اس ناخوشگوار حکومت کی عمارت کو بھسم کرنے کے لئے، صرف ایک چنگاری کافی ہے جو ہندوستان کی آزادی طلب فوج سلگا سکتی ہے،

یقین ہے کہ اس فوج کو ہندوستان کے لوگوں کی طرف سے عظیم الشان مدد ملے گی اور برطانوی فوج کے بڑے ہندوستانی حصے بھی اس میں آملیں گے اس کے علاوہ بیرون ہند کے بہت سے طاقتور اتحادی بھی اس کی پشت پناہ ہیں۔

لیکن، سب سے بڑھکر اس فوج کو اپنی قوت پر اعتماد ہے جو اس کے تاریخی مقصد کی کامیابی کی ضامن ہے،

آزادی کی پو پھٹنے والی ہے ہندوستانی عوام کا فرض ہے کہ وہ اس مرحلہ پہ اپنی ایک عارضی حکومت بنائیں، اور اس کے پھریرے تلے اپنی آخری جد و جہد کا آغاز کریں۔ چونکہ اس وقت تمام ہندوستانی لیڈر جیلخانے میں ہیں اور وہاں کے لوگ بالکل غیر مسلح ہیں۔ اس لئے ہندوستان کے اندر، کسی عارضی حکومت کا قیام اور اس کے زیرِ ہدایت، مسلح جنگ ناممکن ہے

اندریں حالات مشرقی ایشیا کی آزاد ہند لیگ جسے ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے محب الوطنوں کی حمایت حاصل ہے، اس کام کا بیڑہ اُٹھاتی ہے، اور ایک عارضی آزاد ہند حکومت بناکر آزاد ہند فوج کی طاقت کے سہارے (جسے لیگ نے منظم کیا ہے) ملکی آزادی کی مہم کو شروع کرتی ہے۔

مشرقی ایشیا کی آزاد ہند لیگ نے چونکہ یہ عارضی حکومت قائم کر دی ہے اور ہمیں اسکا کار مختار ٹھیرایا ہے، اس لئے ہم اس کی مقررہ ذمہ داری پورے احساس کے ساتھ اُٹھاتے ہیں اور خدا سے اپنی مہمات کی کامیابی اور بھارت ماتا کی خدمتگذاری کے لئے دعا کرتے ہیں نیز اپنی زندگی اور اپنے اُن مسلح ساتھیوں کی زندگی کے نام پر حلف لیتے ہیں، جو ہندوستان کی آزادی اس کی خوشحالی، اور دنیا میں اس کی شوکت رفتہ کی بازیابی کیلئے کوشاں ہیں۔

اس عارضی حکومت کا یہ فرض ہے کہ وہ ہندوستان کی سرزمین سے انگریزوں اور ان کے اتحادیوں کو نکالنے کی جدوجہد کرے اور کامیاب ہونے پر ہندوستان میں ہندوستانیوں کی خواہش اور اعتماد سے ایک مستقل دستوری حکومت قائم کرے۔

برطانیہ اور اس کے حلیفوں کی ہندوستان سے دستبرداری کے بعد بھی عارضی حکومت بطور امانت اُس وقت تک کیلئے کام کریگی جب تک کہ نئی مستقل حکومت قائم نہیں ہو جاتی ہے۔

ان حالات میں عارضی حکومت ہر ہندوستانی سے، اطاعت فرمانبرداری کا مطالبہ کرتی ہے۔ اور مذہبی عقائد کی آزادی کے ساتھ ساتھ شہریوں

کے یکساں حقوق اور مواقع کی ضمانت لیتی ہے، اور اپنے اس مضبوط عزم کا اظہار کرتی ہے کہ وہ ہندوستانی قوم کے ہر حصہ کی خوشحالی اور خوشی کے لئے ساعی ہوگی اور قوم کے بچوں کی نگراں، نیز اُن تمام اختلافات کو ختم کردیگی۔ جن کو غیر ملکی حکومت نے ماضی میں اپنے فریبی دامن سے ہوا دی ہے۔

خدا کے نام پر، اُن پچھلی نسلوں کے نام پر، جنہوں نے ہندوستانی عوام کو ایک قوم بنایا اور اُن شہیدوں کے نام پر، جو قربانی و شجاعت کی روایات کو چار چاند لگا گئے ہیں، ہم ہندوستانیوں کو، اس عارضی حکومت کے جھنڈے تلے جمع ہونے اور جنگ آزادی میں کودنے کی دعوت دیتے ہیں ہم جدوجہد آزادی کے لئے ہندوستانیوں کی عظیم الشان پامردی کو، قربانی و ایثار کی انتہائی آرزو کے ساتھ پکارتے ہیں، اور فتح کے یقین، پر آزاد ہندوستان میں آزاد قوم کا مستقبل دیکھ رہے ہیں۔

دستخط :۔

(۱) سبھاش چندر بوس (صدر ریاست، وزیر اعظم، وزیر جنگ اور وزیر امور خارجہ)

(۲) کیپٹن لکشمی (انچارج تنظیم نسواں)

(۳) ایس اے آئر (وزیر نشر و اشاعت)

(۴) لفٹیننٹ کرنل اے سی چٹرجی (وزیر مالیات)

(۵) لفٹیننٹ کرنل عزیز احمد

(۶) 〃 〃 ایس ایس بھگت

(۷) 〃 〃 جے کے بھونسلے

(۸) لفٹیننٹ کرنل گلزار سنگھ
(۹) " " محمد زمان کیانی
(۱۰) " " اے ڈی لوگا نادن
(۱۱) " " احسان قادر
(۱۲) " " شاہنواز
} فوجی نمائندے

(۱۳) اے۔ایم سہائے (سکریٹری با اختیارات وزیر)
(۱۴) راش بہاری بوس (مشیر اعلیٰ)

(۱۵) کریم غنی
(۱۶) دیب ناتھ داس
(۱۷) ڈی ایم خاں
(۱۸) اے۔ الپا
(۱۹) جے تھوی
(۲۰) سردار ایشر سنگھ
} مشیر

(۲۱) اے این سرکار (قانونی مشیر)

بمقام سنگاپور ــــــــ بتاریخ ۲۱ ر اکتوبر ۱۹۴۳ء

**کابینہ جنگ:** چونکہ عارضی حکومت کا قیام جنگ کے زمانہ میں ہوا تھا اس لئے اس کے دائرہ کار میں زیادہ تر جنگی مقاصد ہی تھے ان جنگی مقاصد کی وسعت کے پیش نظر خاص طور پر ایک کابینہ جنگ بنایا گیا، جو مسائل جنگ پر غور و بحث، اور فراہمی اسباب کے علاوہ، عارضی حکومت

کے نظم و نسق کا بھی ذمہ دار تھا اس میں نیتاجی کے علاوہ حسب ذیل ارکان شامل تھے۔

(۱) کرنل جے کے بھونسلے (۲) کرنل محمد زمان کیانی (۳) لفٹیننٹ کرنل احسان قادر (۴) لفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خاں (۵) لفٹیننٹ کرنل حبیب الرحمٰن (۶) لفٹیننٹ کرنل گلزار سنگھ (۷) کیپتان لکشمی (۸) شری این رگھوان (۹) شری ایس اے آئر (۱۰) شری پرمانند (۱۱) اے ایلپا۔

اس کے سکریٹری۔ اے۔ سی۔ چٹرجی تھے۔

**محکمہ مالیات:۔** حکومت کے فنانس منسٹر شروع میں کرنل چیٹرجی، اور پھر مسٹر راگھون تھے۔ محکمہ مالیات فوج کے جملہ اخراجات کا کفیل تھا، میجر مورتی اس شعبہ کے نگران تھے۔ روپیہ عموماً رضا کارانہ طور پر جمع ہوتا تھا، جو مشرقی ایشیا کے ہندوستانی ملکی آزادی کے نام پر سبھاش بابو کی بھینٹ کرتے تھے، مشرقی ایشیا کے طول و عرض میں، آزاد ہند لیگ کی شاخیں، قومی فنڈ کے لئے نقد روپیہ، زیورات، سونا، چاندی، جواہرات اور اجناس فراہم کرتی تھیں، اور پھر ان عطیات کو مالیات کے مرکزی دفتر میں بھیج دیا جاتا تھا۔

برما کے صاحب جائداد ہندوستانیوں پر پراپرٹی ٹیکس بھی لگایا گیا تھا، جو نفع کی بجائے اصل مالیت پر عائد ہوتا ہے، اور جس کو ہر ایک ہندوستانی خود ہی بنک میں جمع کراتا تھا۔

کرنل لوگاناتدن نے جو آزاد ہند حکومت کی ہئیت انتظامیہ کے رکن تھے

اپنے عدالتی بیان میں کہا تھا کہ صرف برما میں پندرہ کروڑ روپیہ نقد چندہ ہوا تھا اور ملایا سے ۵ کروڑ اس کے علاوہ دھاتوں اور اناج کا اندازہ حد شمار سے باہر تھا۔

ان عطیات کے علاوہ وہ جائدادیں بھی حکومت کی ملکیت بنادی گئی تھیں جنہیں پوربی ایشیا کے ہندوستانی چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

**آزاد ہند بنک:-** مالیات میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے رنگون میں آزاد ہند بنک قائم کیا گیا جو برمی قانون کے مطابق رجسٹرڈ تھا۔

سبھاش بابو اس بنک کے اجرا کی فکر میں مضمحل تھے کہ ایک مسلمان کروڑ پتی غالباً اس کا نام سیٹھ حبیب الرحمٰن تھا، آپکو ملا۔ اور پچاس لاکھ روپے نذر کئے، سبھاش بابو اس سے بیحد خوش ہوئے اور آزاد ہند حکومت کی طرف سے سیوک ہند کا خطاب دیا۔

بورڈ آف ڈائرکٹر نے، پچاس لاکھ روپے کے مزید حصے برائے فروخت جاری کئے جس کا ایک بڑا حصہ خود حکومت نے خریدا۔ اس بنک کی صرف رنگون شہر میں تین شاخیں تھیں۔ آزاد ہند حکومت کا تمام مالی کاروبار اس بنک کے ذمے تھا۔ ایک دفعہ برما کی حکومت نے اپنی فوج کو تنخواہ دینے کے لئے اس بنک سے پانچ لاکھ روپے قرض لئے تھے عام لوگ بنک کے ساتھ اپنا ذاتی حساب بھی رکھتے تھے۔

کرنل ناتھن کے بیان کی رو سے شخصی مد کا تقریباً چالیس لاکھ روپیہ جمع

تھا یہ بنک اپریل ۱۹۴۴ء سے مئی ۱۹۴۵ء تک جاری رہا، جب رنگون پر برطانوی فوج کا دوبارہ قبضہ ہوا تو لوگوں کا سارا حساب چکایا جا چکا تھا اور ۳۵ لاکھ روپیہ بچ رہا تھا جس پر انگریزوں نے قبضہ کر لیا؛

اس بنک کے چیئرمین مسٹر آر یہ تھے اور بورڈ آف ڈائرکٹرز میں مسٹر ایس۔ ایم خورشید، مسٹر مثالی، مسٹر رادھا اور مسٹر وبینا ناتھ تھے۔

لال قلعہ کے مقدمہ میں جو مالی شیٹ اس بنک کے متعلق پیش کیا گیا تھا اسکی رو سے ۱۲ جولائی ۱۹۴۴ء تک عارضی حکومت کے حساب میں ۱۵ کروڑ ۳۵ لاکھ ۱۲ ہزار ۴ سو اور اکتالیس ڈالر جمع تھے۔ سونا، چاندی اور جواہرات اس کے علاوہ تھے۔

**حکومت کا مرکز:-** ابتدا میں حکومت کا مرکز، سنگاپور میں تھا۔ ۷ جنوری ۱۹۴۴ء کو جنگی مقاصد کے پیش نظر رنگون میں منتقل کر دیا گیا۔ جب رنگون میں شکست ہو گئی تو دفتر کچھ عرصہ پہلے بنکاک چلے گئے پھر سارا شیرازہ درہم برہم ہو گیا۔

**ماتحت علاقہ:-** عارضی حکومت کے نظم و اختیار میں، ہندوستان سے باہر پندرہ سو مربع میل کا علاقہ تھا۔ ریاست منی پور اور شنبو پور کے ہندوستانی علاقے بھی اس کے قبضہ میں آ چکے تھے اول الذکر کا انتظام میجر کیانی اور موخر الذکر کا انتظام کپتان ملک کے سپرد تھا۔

۱۷ فروری ۱۹۴۴ء کو جزائر انڈیمان اور نکوبار آزاد ہند حکومت کو مل گئے سبھاش بابو نے دونوں کا نام بدل کر علی الترتیب شہید اور سوراجیہ رکھدیا، کرنل لوکا نادھن چیف کمشنر مقرر کئے گئے میجر علوی کو تعلیم لفٹیننٹ صوبہ سنگھ کو

ریونیو اور لفٹیننٹ محمد اقبال کو پولیس کا محکمہ دیا گیا۔

ستمبر ۱۹۴۴ء کو کرنل لوکانادن واپس بلا لئے گئے اور ان کی جگہ میجر علوی قائم مقام کمشنر مقرر ہوئے لفٹیننٹ اقبال متذکرہ صدر ذمہ داری کے علاوہ دیوانی اور فوجداری مقدمات بھی فیصل کیا کرتے تھے۔

**علاقہ ضیا وادی:۔** اس علاقہ کا رقبہ پچاس مربع میل تھا، اس میں تقریباً پندرہ ہزار ہندوستانی آباد تھے، برما کی حکومت نے یہ علاقہ، سول انتظام کی آزمائش کے طور پر آزاد ہند حکومت کے حوالے کیا تھا۔

اس علاقہ میں کھانڈ، سوت، کمبل اور کھلونے بنانے کے کارخانے تھے جو نہایت کامیابی سے چل رہے تھے، زخمی سپاہیوں کے لئے ایک ہسپتال کھولا گیا تھا اور شہری و فوجی افسروں کی ٹریننگ کے لئے، کیمپ جاری کئے گئے تھے۔

اس علاقے کے چھوٹے گاؤں تحصیلدار کے سپرد ہوئے تھے جو گاؤں کے معمولی معاملات کا فیصلہ کرتا تھا، بڑے مقدمات منیجر کے پاس جاتے تھے جو وادی کا حاکم اعلیٰ تھا، حاکم اعلیٰ کا نام غالباً رام چندر تھا، پولیس کا محکمہ ایک چینی افسر شاما چول ہوا کے سپرد تھا۔

اس علاقہ سے مختلف مدات میں جو آمدنی ہوتی تھی اس سے آزاد ہند فوج کے اخراجات پورے کئے جاتے تھے۔

**امدادی ہسپتال:۔** عارضی حکومت نے مختلف مقامات پر بمباری کے مجروحین کی ریلیف کے لئے امدادی ہسپتال کھول

رکھے تھے جو ایک میڈیکل بورڈ کی نگرانی میں تھے۔ ملایا، برما اور سیام کے ان امدادی ہسپتالوں کا خرچ تقریباً ۷۵ ہزار ڈالر ماہانہ تھا۔

۱۹۴۵ء کے شروع میں سیام کا ہسپتال امریکی بمباروں نے ہوائی حملوں سے تباہ کر دیا تھا۔

**عدل و انصاف:۔** مقدمات کی سماعت کیلئے باقاعدہ عدالتیں قائم کی گئی تھیں، جو عدل و انصاف کے مقتضیات کو پورے طور پر ملحوظ رکھتی تھیں سپریم کورٹ کے چیف جج مسٹر بنجمین تھے جو ملایا میں جنگ سے پہلے پریکٹس کرتے تھے اور کوالالمپور انڈین ایسوسی ایشن کے صدر تھے۔ دوسرا جج ایک چینی لیڈر رینگ نامی بیرسٹر تھا۔ ان ججوں کو صرف ہندوستانی مقدمات ہی کی سماعت کا اختیار تھا۔

**محکمہ سی آئی ڈی:۔** سرکار ایجنسی کے نام سے آزاد ہند حکومت نے ایک سراغرسانی کا محکمہ بھی قائم کر رکھا تھا اس کا کام برطانوی فوج کی جاسوسی اور ہندوستان میں بغاوت کی آگ دہکانا پیدا کرنا تھا،

اس ایجنسی کے ماتحت سیکرٹ سروس (Secret Service) اور خفیہ پولیس کے شعبے بھی تھے جس میں ہندوستانی، برمی اور جاپانی کام کرتے تھے، اس محکمہ کے افسر اعلیٰ کپتان پورن منور تھ آزاد تھے جن کا اصلی نام شری دیوی دت شرما تھا اور آبائی وطن المورہ کچھ عرصہ ملتان سنٹرل جیل میں نظر بند رہے، پھر آپ کو لکھنؤ لے جا کر رہا کر دیا گیا،

سبھاش بابو کی اقامت گاہ پر اس محکمہ کے آدمیوں کا خاص پہرہ رہتا تھا، آپ کو ایک دفعہ ایک برطانوی ایجنٹ نے ہلاک کرنا چاہا لیکن سی آئی۔ڈی نے قبل از وقت اس کا سراغ لگا لیا، سبھاش بابو کے روبرو پیش کیا گیا تو آپ نے اس کو رہا کر دیا اور کہا یہ اس کا قصور نہیں بلکہ غلامانہ ذہنیت کی فطری افتاد ہے۔

چونکہ اس محکمہ کے کام کی نوعیت کا دائرہ بین الاقوامی تھا اور اس میں جنگ کی خاص حالت کے باعث جاپانی بھی کام کرتے تھے اس لئے جنرل وسوڈا اور کرنل باماموتو اس کے نگران اعلیٰ تھے۔

اس ایجنسی نے دسمبر ۱۹۴۳ء میں آٹھ آدمیوں کا ایک قافلہ اندرونی حالات کی پرکھ کے لئے ہندوستان بھیجا، یہ قافلہ جاپانی تحت البحر کشتی سے گجرات کاٹھیاواڑ کے ساحل پر اُترا اور پلان کے مطابق مختلف جگہوں میں بٹ گیا۔

کچھ دنوں بعد ان میں سے ایک نے حکومت ہند کو رپورٹ کر دی، اور سب گرفتار کرا دئے عرصہ تک انکوائری ہوتی رہی، پہلے انکو دہلی کے لال قلعہ میں اور پھر سات ماہ تک لاہور کے شاہی قلعہ میں رکھا گیا۔ آخر دہلی ڈسٹرکٹ جیل میں ان کے مقدمہ کی سماعت ہوئی،

آٹھ میں سے تین سرکاری گواہ بن کر چھوٹ گئے پانچ کو اینیمی ایجنٹ آرڈیننس کے ماتحت موت کی سزا دی گئی، پنڈت جواہر لال نہرو کی مساعی سے اُن کی سزا عمر قید میں تبدیل ہو چکی ہے،

ان کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) کنول سنگھ (۲) سوجیت رائے چوپڑہ (۳) کرتار سنگھ (۴) پنڈت بھگونت گوتم اپادھیائے (۵) مسٹر رام دلارے۔

**اخبار:-** آزاد ہند حکومت نے دو اخبار ہندوستانی میں جاری کئے تھے روزنامہ "پورن سوراجیہ" اور ہفتہ وار "جے ہند" آزاد ہند لیگ کی طرف سے ایک ماہانہ بلیٹن بھی شائع ہوتا تھا۔ جس میں مہینہ بھر کی ضروری معلومات مہیا کی جاتی تھیں۔

مسٹر آئر نے لال قلعہ کی عدالت میں اس کے دو الیشوع پیش کئے تھے اگست کے الیشوع میں درج تھا کہ جون ۱۹۴۴ء تک حلف اٹھانے والوں کی تعداد دو لاکھ ۳۲ ہزار پانچسو باسٹھ تک پہنچ چکی ہے۔

**براڈ کاسٹنگ اسٹیشن:-** آزاد ہند حکومت کے چار براڈ کاسٹنگ اسٹیشن تھے جو کلیتہً اس کے اختیار میں تھے۔ سبھاش بابو اور آزاد ہند فوج کے دوسرے افسر اس سے تقاریر نشر کیا کرتے تھے۔ ہندوستان کے اندر بہت سے لوگوں نے اس زمانہ میں سبھاش بابو کی تقاریر سنی ہیں۔

**سکہ:-** ایک غیر مصدقہ روایت ہے کہ آزاد ہند حکومت نے اپنا سکہ بھی مضروب کرایا تھا، لیکن اس کے اشکال کیا تھے اس کے متعلق تفصیلات معلوم نہیں ہو سکیں اور نہ کسی "آزاد فوجی" کے پاس سے کوئی سکہ ملا ہے۔

**باقاعدہ حکومت:-** آزاد ہند حکومت اور اس کی فوج کو آٹھ مختلف حکومتوں نے باقاعدہ تسلیم کر لیا تھا۔ جن کے

نام یہ ہیں۔

(۱) جاپان (۲) جرمنی (۳) اٹلی (۴) سیام (۵) نانکنگ (۶) منچوکو (۷) برما (۸) فلپائن۔

**قحط بنگال پر پیشکش:۔** مسٹر آئر پیلبسٹی وزیر آزاد ہند حکومت نے ۱۱ دسمبر ۱۹۴۵ء کو دہلی کے تاریخی مقدمہ میں شہادت دیتے ہوئے کہا کہ جن دنوں بنگال بھوک کی فراوانی کے ہاتھوں مجبور تھا اور کال نے اس صوبہ پر ہلہ بول رکھا تھا سبھاش بابو نے حکومت ہند کو ۲۸ لاکھ من چاول کی پیشکش کی تھی لیکن حکومت نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

**مختلف خصوصیات:۔** آزاد ہند حکومت ہر لحاظ سے ایک آزاد گورنمنٹ تھی، اس کے بیرونی اور اندرونی تمام اجزا آزادانہ طور پر کام کرنے کے مجاز تھے، جاپانیوں کے ساتھ جیسا کہ پچھلے اوراق میں لکھا گیا ہے، اس کا تعلق ایک حلیف حکومت کی طرح تھا، اور بے شمار اخلاقی امور دونوں حکومتوں کے خود رائے ہونے پر دال تھے، ان کا میثاق قدرے یا اس سے کچھ کم ایسا ہی تھا جیسا کہ روس اور برطانیہ کے درمیان جنگ کے زمانہ میں تھا،

آزاد ہند حکومت نے اپنی عمر کے چھوٹے سے دور میں عوامی خدمت گذاریوں کا ایک قابل فخر ریکارڈ بنا لیا۔ اس کی ایک روئداد اوپر آچکی ہے، کچھ اشارات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے صرف برما میں ۶۵ اسکول

جاری کر رکھے تھے۔

(۲) ضرورت کی جگہوں پر خیراتی شفاخانے کھول رکھے تھے جہاں غذا اور دوا مفت ملتی تھی۔

عقائد کی آزادی کے ساتھ مذہبی منافرت کا انسداد کر دیا گیا تھا۔

(۴) ہندوستانیوں کو رہنے کے لئے مکانات نہیں ملتے تھے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ملایا کے ایک قریبی حصہ میں، تین ہزار ایکڑ جنگل خریدا گیا، جس کو صاف کرکے اقامتی مکانات بنوا دئے گئے تھے۔

(۵) مدرسوں میں بنیادی زبان ہندوستانی تھی، جہاں ہندوستانی قوم کی "تاریخ"، قومی راہنماؤں کے سوانح زندگی، ہندوستانی موسیقی" اور قومی افکار پڑھانے کے علاوہ اخلاقی تربیت کا بھی انتظام تھا۔ اس کے ساتھ صنعت و حرفت کا کام بھی سکھایا جاتا تھا۔ بالغوں کے لئے شبینہ مدرسے جاری کئے گئے تھے۔ طریق تعلیم مخلوط تھا،

(۶) جب رنگون میں، برطانوی فوجیں دوبارہ فتحیاب ہو کر داخل ہو رہی تھیں، اور جاپانی فرار ہو رہے تھے۔ تو سبھاش بابو نے اپنے ماتحت وزرا کو رنگون ہی میں ٹھہرنے کا حکم دیا کیونکہ آپ کو بے آسرا لوگوں پر حالات کی خرابی سے مظالم ٹوٹنے کا خدشہ اور امن کے غارت ہونے کا یقین تھا۔ اور آپ عوام کو ٹوٹتے ہوئے پتوار کی طرح منجدھار میں بے یار و مددگار نہیں چھوڑنا چاہتے تھے۔

انجام:۔ عارضی آزاد ہند حکومت لالۂ صحرا کی طرح کھلی، صبح بہار لا

کی طرح مسکرائی، اور دیارِ غربت میں نگہہ انتظار کی طرح تھک کر رہ گئی، مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے اپنی تاریخی بحث میں کہا تھا۔

" بغاوت کامیاب ہو جائے تو عارضی حکومتیں باقاعدہ حکومت بن جاتی ہیں، اور سب دنیا ان کو تسلیم کر لیتی ہے جیسا کہ روس کی بالشویک بغاوت کے بعد روس کی کمیونسٹ گورنمنٹ کو مان لیا گیا تھا۔

تاریخ کی تماشا گاہ میں اکثر یہ بھی ہوا ہے کہ بادشاہ قیدی بن گئے ہیں اور قیدیوں نے زنجیریں اُتار کر تاج پہن لیا ہے۔

ع شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی

# بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

الفاظ میں خلوص ہو تو ان کی طاقت خود بخود بڑھ جاتی ہے،
رائے عامہ اصل میں کسی قوم کا معنوی طور پر عسکری مظاہرہ
ہوتا ہے۔

جاپان کے ہرنے، برطانیہ کے جیتنے، اور عارضی حکومت کے ٹوٹنے سے یہی نہیں کہ آزاد ہند فوج کا شیرازہ بیوہ کے سہاگ کی طرح لٹ گیا بلکہ پکڑ دھکڑ سے پہلے جو وعدے اس فوج کے سپر انداز افسروں سے کئے گئے تھے وہ بھی دوشیزہ کی کہہ مکرنی بن گئے۔

کپتان ارشاد نے لال قلعہ کی عدالت میں جو بیان دیا تھا اس میں انھوں نے بتایا تھا کہ سبھاش بابو شکست کے بعد انہیں رنگون میں صرف بحالی امن کیلئے چھوڑ گئے تھے اور کہہ گئے تھے کہ جب تک اتحادی فوجیں داخل نہیں ہوتی ہیں، امن کی حفاظت آزاد ہند فوج کے ذمے ہے۔

اس وقت رنگون میں چھ ہزار جوان تھے سبھاش بابو نے کرنل لوگا ناتھن کو ان کا کمانڈنگ آفیسر اور کپتان ارشاد کو ان کا اسسٹنٹ مقرر کیا تھا،

ان لوگوں نے شہر کے امن کو ہر ممکن طریقے سے بحال رکھا، چار مئی ۱۹۴۵ء کو انگریزی کمانڈر رہیڈسن کی طرف سے انہیں حکم ملا کہ ہتھیار جمع کرا دیں

اور خود بارکوں میں رہیں۔

کپتان ارشاد پہلے ہی بحیثیت جنگی قیدی ہتھیار ڈالنے کا ارادہ ظاہر کر چکے تھے، بریگیڈیر سے ملے تو اُس نے ہتھیار بھجوانے اور جوانوں کو بارک میں رکھنے کا مشورہ دیا اور ساتھ ہی یہ کہا کہ جب تک انگریزی فوجیں نہیں آجاتی ہیں، آزاد ہند فوج کو اپنا کام جاری رکھنا چاہیئے۔ اور اپنی اقامت گاہ پہ اپنا بورڈ لگا دینا چاہیئے۔

چنانچہ انگریزی فوج کے پہنچنے اور قبضہ کرنے تک یہ سلسلہ جاری رہا، اور آزاد ہند فوج نے مستحسن خدمات انجام دیں،

کرنل سہگل کے عدالتی بیان میں بھی یہ وضاحت موجود ہے۔ کہ اُنہوں نے جنگی قیدی کی حیثیت سے ہتھیار ڈالے تھے لیکن جب برطانوی سپاہ نے فتح کا ناد بجایا، اور برما دوبارہ برطانوی عملداری میں آگیا تو آزاد ہند فوج کے چھوٹے بڑے ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جانے لگے اور انہیں ملک معظم کی وفاداری سے انحراف کے جرم میں، قید و بند کی چار دیواری میں ڈال دیا گیا،

عین اس موقع پر مسٹر امرت لال سیٹھ ایڈیٹر "جنم بھومی" کے دل میں قومی غیرت کی چنگاری سلگی اور انہوں نے جان ہتھیلی پر رکھ کر برما اور سیام کا دورہ کیا، اس سفر میں جو کچھ اُنہوں نے فراہم کیا اس کی صحیح تصویر پریس کے اوراق پر کھینچ دی تاوقتیکہ لوگوں کو پہلی دفعہ علم ہوا کہ آزاد ہند فوج کیا ہے اور اس پر کیا گزر رہی ہے، انہوں نے اُن تمام سختیوں کا ذکر کیا، جو ان

پر روا رکھی گئی تھیں؛

انہوں نے بتایا کہ اس فوج کے افسروں اور سپاہیوں سے بلا استثنا رنگون کے گلی کوچے صاف کرائے جاتے ہیں، انہیں خویش و اقارب سے خط و کتابت کی اجازت نہیں اور نہ یہ بتایا جاتا ہے کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے؛

ظاہر ہے کہ یہ ایک مقامی اخبار کے ایڈیٹر کی آواز تھی اور حکومت کے گوش شنوا کسی وزنی صدا کے منتظر تھے۔

اسی اثنا میں ۱۹ اگست ۱۹۴۵ء کو لالہ زار کشمیر سے وہ انسان بولا جس کا ہیولیٰ تلواروں کی دھار، گلاب کی خوشبو، بادلوں کی گرج، گنگا کی لہروں اور تنکدوں کی رعنائی سے بنا ہے؛

جواہر لال نہرو:۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے سری نگر میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔ تقریباً ۲۵ ہزار ہندوستانی سپاہی، جن میں اکثر سکھ اور مسلمان تھے۔ سقوط سنگاپور کے بعد جاپانیوں سے مل گئے۔ اور انہوں نے آزاد ہند فوج بنائی۔ یہ لوگ غلطی پر تھے لیکن انہوں نے جو کچھ کیا۔ حب الوطنی کے جذبے سے کیا ان میں سے بیشتر گرفتار کیے گئے اور اب ہندوستانی جیلوں میں بتائے جاتے ہیں۔ ہندوستانی یہ معلوم کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔ کہ حکومت ہند ان سے کیا سلوک کرے گی اس میں شبہ نہیں کہ ان لوگوں نے غلطی کی، لیکن اگر ان سے سختی کا سلوک کیا گیا تو ہندوستان کے لئے ایک اہم مسئلہ پیدا ہو جائے گا، آپ نے مزید فرمایا یہ مسئلہ مجھے کچھ عرصہ سے تکلیف دے رہا تھا مگر میں نے جنگ کے دوران میں اس خیال سے ذکر نہیں کیا کہ

اُس وقت غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان تھا۔ اب حالات بدل چکے ہیں اور اور جنگ بھی ختم ہو گئی ہے'

میرے پاس قطعی مستند اطلاع تو نہیں البتہ باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ ان لوگوں کو قید خانوں اور قلعوں میں رکھا گیا ہے اور وہ موت کے سایہ میں زندگی گذار رہے ہیں بعض کو پھانسی بھی دی جا چکی ہے' ایک ہندوستانی اور ایسے ہندوستانی کی حیثیت سے جو اس معاملہ میں نمایاں پارٹیوں کی ہندوستانی رائے عامہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ اگر ان افسروں اور سپاہیوں کو سزا کے طور پر پھانسی پہ لٹکا یا گیا تو یہ افسوسناک سانحہ ہوگا' ان کے احساسات اور غلطیاں کچھ بھی رہی ہوں (اور شاید تھیں بھی) لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مجموعی طور پر وہ نوجوانوں کی عمدہ جماعت ہیں ان میں نادر افسر اور نادر سپاہی ہیں۔

آج جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں بڑی تبدیلیاں ہونے والی ہیں ان سے سخت قسم کا سلوک دور اس نتائج پیدا کر سکتا ہے' ان کو سزا دینا تمام ہندوستان کو سزا دینے کے برابر ہوگا اور کروڑوں ہندوستانیوں کے دل میں گہرے زخم پیدا ہو جائینگے۔ خوش قسمتی ہے کہ اس بارے میں کوئی فرقہ دارانہ جذبہ نہیں ہے۔ کیونکہ یہ سپاہی اور افسر ہندو بھی ہیں مسلمان بھی اور سکھ بھی'

**حکومت کا اعلان:۔** پنڈت جواہر لال نہرو کی آواز بھی حلق سے نکلی اور خلق میں پہنچی رائے عامہ طوفان کے بہاؤ کی طرح

بھیجر گئی حکومت نے ۲۰ر اگست کو مندرجہ ذیل اعلان شائع کیا:

"حکومت ہند نے یہ طے کیا ہے کہ جن سپاہیوں نے دباؤ میں آکر کام کیا اور جنہوں نے گمراہ ہو کر دشمن کی فوجوں میں شرکت کر لی ان کے ساتھ رحم اور فیاضی کا سلوک کیا جائے۔ لیکن قانون کی راہ میں کوئی خلل نہیں ڈالا جا سکتا۔ ان کے لیڈروں اور ان لوگوں پر جو خاص طور سے بے رحمانہ جرائم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ کورٹ مارشل کے ذریعہ مقدمہ چلے گا۔ اس کا اعلان ایک سرکاری کمیونک میں کیا گیا ہے جس میں درج ہے کہ دشمن سے جا ملنا اور اپنے سابق ساتھیوں کے خلاف لڑنا ایک سپاہی کے لئے سخت ترین جرائم میں سے ہے۔ تقریباً ہر ملک میں قانوناً اس کی سزا موت ہے اور جو لوگ اس جرم کے مرتکب ہوئے ہیں اور پکڑے گئے ہیں وہ جنگی قیدیوں کے سے سلوک کا حق پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن حکومت ہند یہ محسوس کرتی ہے کہ دشمن کے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد یہ سپاہی جن حالات میں رہے ان کا لحاظ رکھنا چاہیئے اُس وقت سے انہیں جنگ کی ترقی کی رفتار کا کوئی علم نہیں ہوا اور نہ انہوں نے جرمن اور جاپانی کی جھوٹی رپورٹوں کے علاوہ کوئی خبر سنی۔ ان میں کچھ پروپیگنڈہ سے گمراہ ہوئے اور کچھ بہتر سلوک کی خواہش کے دباؤ میں آ گئے۔ اور محض اس اُمید میں دشمن کے شریک ہو گئے کہ ان کی زندگی کی حالت میں فوری بہتری ہو جائے گی۔ اس لئے جو لوگ محض گمراہ ہو گئے تھے (اور اکثریت ایسی ہی ہے) ان سے رحم کا سلوک کیا جائے گا لیکن بلاشبہ جس نے سپاہیوں کا قانون توڑا اور اپنے ساتھیوں سے غدّاری کی ایسے کسی شخص کو ہندوستانی

فوج میں نہیں رکھا جا سکتا۔ اس لیئے ان لوگوں کو فوج سے نکال دیا جائیگا لیکن مہربانی کے طور پر انہیں ۴۲ دن کی تنخواہ مع رخصت دی جائے گی اور ان سے اس زمانہ کا الاؤنس جو ان کے خاندانوں کو دیا گیا تھا واپس نہ لیا جائے گا جبکہ وہ دشمن سے تنخواہ لے رہے تھے اور دشمن کے ہاتھوں میں تھے۔

یہ تو اس اکثریت سے سلوک ہوگا جو دشمنوں کے ساتھ شریک ہو گئی تھی لیکن ایک ایسی تعداد بھی ہے کہ اگر اس کے خلاف واقعات صحیح ثابت ہو جائیں تو اس کے ساتھ اس قسم کا رحم کرنا غلط ہوگا۔ ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے بارے میں یہ خبر ہے کہ انہوں نے پچھلے ساتھیوں کو مار ڈالا یا انہوں نے اتحادی سپاہیوں کو پکڑا یا انہیں اذیتیں دیں اور کچھ ایسے لیڈر ہیں جنہوں نے جان بوجھ کر جاپانیوں کے یا جرمنوں کے مقصد کو اپنایا۔ ان کے لیئے اس کے سوا اور کوئی متبادل صورت نہیں ہو سکتی کہ ان پر کورٹ مارشل کے ذریعہ مقدمہ چلایا جائے۔ ان کو یہ موقعہ دیا جائے گا کہ اپنی نمائندگی کے لیئے وکیلوں کو منتخب کریں ان کے مقدموں کی سماعت بند کمروں میں نہ ہوگی۔

ان دو قسموں کے علاوہ ایک بہت بڑی تعداد ایسی بھی ہے جن کے معاملہ کی جانچ ضروری ہے اور یہ طے کرنا ہے کہ انہیں کس شمار میں رکھا جائے اس جانچ کے مکمل ہونے تک انہیں فوجی حراست میں رکھا جائے گا۔

یہ نظر میں رکھنا چاہیئے کہ ان لوگوں کے مقابلہ میں ان بہادر سپاہیوں

کی ہمت اور قوت برداشت کتنی زیادہ شاندار معلوم ہوتی ہے جن کی زبردست اکثریت جنگ کے قیدی ہونے پر بھی حق نمک خواری ادا کرتی۔ اور جس نے دشمن کی ہر اس کوشش کو ٹھکرا دیا جو اس نے وفاداری کو متزلزل کرنے کے لئے کی"

پنڈت جواہر لال نہرو نے اس توضیحی بیان کے جواب میں ۲۸ اگست کو ایک اور بیان دیا جس میں حکومت کی معاملہ گوئی پر اظہار مسرت کیا اور اس بات پر زور دیا کہ اس معاملہ کو ہندوستانی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے نیز استفسار حالات کے ساتھ اُن افسروں اور سپاہیوں کی تعداد دریافت کی جو مختلف جیلوں اور کیمپوں میں رکھے گئے تھے؟

**مولینا ابوالکلام آزاد:** مولانا ابوالکلام آزاد نے حکومت کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے ان نوجوانوں کی رہائی کا مطالبہ کیا اور حکومت کو مشورہ دیا کہ ان نوجوانوں کے معاملہ کو بین الاقوامی قانون کی ترازو میں تولنے کی بجائے اخلاقی اصولوں سے پرکھنا زیادہ انسب ہے مزید فرمایا۔ اگر دشمن ملک کے سپاہی بین الاقوامی قانون اور رواج کا فائدہ اٹھا سکتے ہیں تو ایسے ملک کے باشندے جہاں غیر ملکی حکومت ہے اس سے کم کے حقدار نہیں ہے۔

**کانگرس کی قرارداد:** آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اپنے اجلاس منعقدہ بمبئی میں ۲۳ ستمبر ۱۹۴۵ء کو ایک قرارداد منظور کی جسمیں آزاد ہند فوج کے بارے میں حکومت کے ارادوں پر

تشویش کا اظہار کیا، اور رہائی کا مطالبہ کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ ان لوگوں کی سزا یابی سے انگلستان اور ہندوستان کے درمیان اختلافی خلیج کے اور وسیع ہو جانے کا یقین ہے، اس قرارداد میں کانگرس نے ملایا اور برما کے اُن ہندوستانیوں کو سزا نہ دئے جانے کی خواہش کا اظہار بھی کیا جو آزاد ہند لیگ کے ممبر تھے۔

کانگرس نے ان لوگوں کے مقدمات کی پیروی کے لئے ایک ڈیفنس کمیٹی بنادی جس کے ممبر پنڈت جواہر لال نہرو مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی آنجہانی مسٹر آصف علی اور مسٹر رگھو نندن سرن تھے۔

**ڈیفنس کمیٹی:-** مسٹر آصف علی نے جو ڈیفنس کمیٹی کے سکریٹری تھے۔ وائسرے کو کمیٹی کی طرف سے ایک مراسلہ بھیجا جس میں اُن سے درخواست کی گئی کہ وسیع مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان مقدمات کو واپس لے لینا ہی بہتر ہے کمیٹی نے اپنی عرضداشت میں جن امور پر زور دیا، ان میں چند نکات یہ تھے۔

(۱) آزاد ہند فوج کا ڈھانچہ حب الوطنی پر مبنی تھا۔

(۲) عارضی آزاد ہند حکومت جسکی یہ فوجی طاقت تھی ایک آزاد گورنمنٹ تھی اور اسے بین الاقوامی برابری کا درجہ حاصل تھا۔

(۳) ان کے خلاف مقدمات چلانا پبلک مفاد کے منافی ہے۔

(۴) ہندوستانی فوجی افسروں کے خلاف جو الزام لگایا گیا ہے اس کا ابتدائی تعلق ہندوستانی عوام سے ہے اور برٹش گورنمنٹ پبلک طور پر

اعلان کر چکی ہے کہ ہندوستانی عوام چاہیں تو انہیں برطانوی سلطنت سے انقطاع تعلق کا حق ہے۔

چنانچہ ہندوستانی رائے عامہ ان لوگوں کے خلاف کاروائی نہ کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔

(۵) اگر حکومت مقدمات چلانے کا ارادہ ترک نہیں کر سکتی تو کم از کم نئی انتظامیہ کونسل کی تشکیل اور مرکزی و صوبائی اسمبلیوں کے نتائج تک ملتوی ہی کر دے۔ اس عرضداشت کی ایک نقل کمانڈر انچیف کو بھی بھیجی گئی۔ وار ڈیپارٹمنٹ کے سکریٹری نے ۲۴ اکتوبر کو اس مراسلے کا جواب مسٹر آصف علی کے نام بھیجا، جس میں درج تھا، کہ حکومت ہند اپنے فیصلے سے دستبردار ہونے کی کوئی وجہ نہیں دیکھتی اور مقدمے کے التوا سے ادائے انصاف کو مزید کئی ماہ تک تعویق میں نہیں ڈالنا چاہتی،

چنانچہ حکومت کی طرف سے ملزموں کے ناموں کا اعلان کر دیا گیا۔ اور کورٹ مارشل کے تقرر ساتھ تاریخ سماعت بھی مقرر کر دی گئی۔

اس پر مسٹر آصف علی نے ڈیفنس کمیٹی کے کنوینر کی حیثیت سے یہ سوال اٹھایا کہ آیا حکومت ان لوگوں پر مقدمہ چلانے کی مجاز بھی ہے یا نہیں، ہ کمیٹی نے یہ رائے ظاہر کی، کہ حکومت کو کسی طرح یہ حق نہیں پہنچتا ہے۔ دلائل کا خلاصہ یہ تھا:۔

(۱) آزاد ہند حکومت کا درجہ اسی طرح ایک باقاعدہ عارضی حکومت کا درجہ تھا جیسے بہت سی عارضی حکومتیں انگلستان میں بن گئی تھیں اس کے

اعوان و انصار پر، تعزیرات ہند کے ماتحت مقدمہ نہیں چل سکتا ہے۔

(۲) اگر ان پر مقدمہ چلانے کا حق کسی کو پہنچتا ہے تو وہ صرف آزاد ہندوستان کی حکومت ہو سکتی ہے۔

(۳) جہاں تک بین الاقوامی ٹریبونل کا تعلق ہے صرف انہیں جرائم کے متعلق مقدموں کی سماعت بین الاقوامی قوانین کے ماتحت ہو سکتی ہے جو جنگی جرائم ہوں اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ ایک ریاست باقاعدہ دوسری ریاست سے لڑ رہی تھی۔ اور جنگی قیدیوں سے فاتح ریاست یہ کہتی ہے کہ بتاؤ تم قیدی ہو یا نہیں یہ بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔

(۴) بعض اخباروں نے اپنے خاص نامہ نگاروں کے توسط سے اس سلسلہ میں ایک زہر آلود فضا قائم کر دی ہے، جس سے ملزموں کو یہ دعویٰ کرنے کا حق پہنچتا ہے کہ ان کے مقدمہ کی سماعت منصفانہ طور پر نہیں ہو سکتی ہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو کی آواز، مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشاد، کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلے اور ڈیفنس کمیٹی کی تیاریوں نے ملک کی رائے عامہ میں ایک نئی زندگی کی روح پیدا کر دی۔

ہر زبان پر پہلے مقدمہ کے اسیروں کا ذکر تھا۔ جدھر دیکھو شاہ نواز زندہ باد، ڈھلوں زندہ باد اور سہگل زندہ باد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں ملک میں ان کی رہائی کے مطالبہ پر زبردست مظاہرے ہونے لگے۔ ان تین جانوں کو بچانے کے لئے، جو دراصل ملکی عزت کی اجتماعی علامت

بن گئی تھیں، کئی جانیں مظاہرات کی نذر ہو گئیں، کلکتہ میں کئی دفعہ گولی چلی، بمبئی میں بہت سے آدمی ہلاک ہو گئے، لاہور میں نوجوان لڑکیوں نے پولیس کی لاٹھیاں سہیں، طلبہ نے یونیورسٹیوں اور کالجوں میں احتجاجی ہڑتالیں کیں، قومی ہیرو چھوڑ دو اور لال قلعہ توڑ دو، کے نعرے، ملک کے طول و عرض پہ بادلوں کی طرح چھا گئے اور حکومتی ایوانوں پر بجلیوں کی طرح لپکے،

آزاد ہند فوج کے بارے میں پنجاب ہائی کورٹ کے ایک سابق جج کنور دلیپ سنگھ کا بیان بھی ملک کے آئینی ذہن کا ترجمان تھا ان کے اہم نکات یہ تھے۔

(۱) ایک مسلح بغاوت اگر خارجی حکومتوں کی طرف سے تسلیم کر لی جائے تو اس سے باغیوں کو ایسے سپاہیوں کی پوزیشن حاصل ہو جاتی ہے جن کو گرفتاری کے بعد باغیوں کی حیثیت سے گولی نہیں ماری جا سکتی۔

(۲) یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستانی سپاہی وطن پرستی کے جذبات یا ذہنی آدرش کی محبت سے متاثر ہو کر لڑتا ہے جو ایک متوسط درجے کے یورپین سپاہی کے لئے محرک عمل ہے۔

(۳) ان لوگوں نے جو کچھ کیا، اس میں ایک ذہنی آدرش اور حب الوطنی کا مخلصانہ تقاضہ مضمر تھا، ایک ایسا تقاضہ جس سے ہمارا مستقبل تعمیر ہو رہا ہے،

(۴) اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ حکومت تیس ہزار آدمیوں کی اس جمعیت کو نہ گولی سے اڑائیگی اور نہ پھانسی دے گی لیکن خالی سزا

کے طور پر اگر ایک شخص سے بھی سختی کی گئی تو وہ یاد رکھی جا سکتی ہے اور بہت سے لوگوں پر جو رحم کیا جائیگا اسے بھلایا جا سکتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے بجا طور پر کہا تھا کہ "ہندوستان کی رائے عامہ شاید ہی کسی معاملہ کے لئے اس درجہ واضح اور غیر مشتبہ طریقہ پر کبھی ظاہر ہوئی ہو جس درجہ انڈین نیشنل آرمی کے قرار دادہ ملزموں کی نسبت ظاہر ہوئی ہے۔"

معلوم نہیں، اس صورت حال کے لئے تاریخ کے پاس صحیح فیصلہ کیا ہے لیکن بازار قدرت میں تماشائی تقدیر کی ارزانی، ملاحظہ ہو کہ جو لوگ کبھی ہندوستان کی سرحدوں پر اسکی زنجیر غلامی کاٹنے کے لئے لڑ رہے تھے وقت نے پلٹ کر انہی کو زنجیریں پہنا دیں اور پورا ہندوستان ان کی رہائی کے لئے چیخ رہا تھا۔

---

# لال قلعہ

قانون عنکبوت کا تار ہے جو اپنے سے کمزور کو پھانس لیتا ہے
اور طاقتور سے ٹوٹ جاتا ہے ـــــــــــــ "سولن"

دہلی کے لال قلعہ میں جو فی زمانہ سلطنت مغلیہ کے گزرے ہوئے جاہ و
جلال کی مرجھائی ہوئی یادگار ہے ۵؍ نومبر ۱۹۴۵ء کو آزاد ہند فوج کے تین ناموروں
شاہنواز، سہگل، اور ڈھلوں کا مقدمہ شروع ہوا، تو یکایک چشم تصور اور
ماضی کے ایک ہوشربا سانحہ کی طرف لوٹ گئی، جب اسی چار دیواری
کے اندر بہادر شاہ ظفر کو تخت سے اُتار کر ملزموں کے کٹہرے میں کھڑا کیا
گیا تھا۔

یہ مقدمہ ۲۷؍ جنوری ۱۸۵۸ء کو دیوان خاص میں ا فوجی عدالت کے
روبرو سماعت ہوا۔ عدالت کے صدر لفٹیننٹ کرنل ڈیوس، اور ارکان میجر پامر،
میجر ریڈمنڈ، میجر سائر، اور میجر رتھنے تھے۔ میجر الیف۔ جے ہیریٹ ڈپٹی جج
ایڈووکیٹ جنرل نے ذیل کی فرد جرم پیش کی۔

(۱) سراج الدولہ محمد بہادر شاہ انگریزی کمپنی کے پنشن خوار تھے۔ انہوں
نے ۱۰؍ مئی ۱۸۵۷ء اور یکم اکتوبر ۱۸۵۷ء کے درمیان محمد بخت خاں صوبہ دار
رجمنٹ توپخانہ اور دوسرے افسران افواج انگریزی کو غدر اور بغاوت

کرنے کی ترغیب دی، اور غدر کرانے میں امداد دی،

(۲) بہادر شاہ نے اپنے بیٹے مرزا مغل کو جو انگریزی کمپنی کی رعیت تھے اور دوسرے باشندگان کو جو انگریزی رعایا تھے انگریزی گورنمنٹ کے خلاف ہتھیار اُٹھانے میں مدد دی اور سازش میں شریک ہوئے۔

(۳) بہادر شاہ نے ۱۰ ر مئی سے یکم اکتوبر تک باوجود انگریزی رعایا ہونے کے اپنے آپکو بادشاہ ہند مشہور کیا اور شہر دہلی پر ناجائز قبضہ کر لیا، اور مرزا مغل اور محمد بخت سے سازش کی، اور علم بغاوت بلند کیا۔ نیز گورنمنٹ سے جنگ کے لئے آمادہ ہوئے اور گورنمنٹ کا تختہ اُلٹ دینے کی غرض سے اسلحہ بند فوجوں کو دہلی میں جمع کیا اور انکو لڑنے پر آمادہ کیا۔

(۴) انچاس نفر انگریزوں کو جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے قتل کرانے میں حصہ لیا اور دیگر انگریزوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کرانے میں مدد دی اور والیان ریاست کے نام احکام جاری کئے کہ وہ عیسائیوں اور انگریزوں کو اپنے حدود میں جہاں پائیں قتل کریں، یہ سب بموجب قانون ۱۶ ۱۸۵۷ء سنگین جرائم ہیں؛

۹ مارچ ۱۸۵۸ء کو فوجی عدالت نے اپنا فیصلہ سنا دیا اور لکھا کہ عدالت اُن پیش کردہ شہادتوں کی بنا پر جو اس کے سامنے لائی گئی ہیں، اپنی اس رائے کا اظہار کرتی ہے۔ کہ قیدی محمد بہادر شاہ سابق شاہ دہلی، ہر اس الزام کی رو سے جو اس پر لگایا گیا ہے، ارتکاب جرم کا سزاوار ہے،

چنانچہ آپ کو رنگون میں جلاوطن کر دینے کا فیصلہ کیا گیا، ایک روز

سوگواران سلطنت کا یہ قافلہ، جس میں، بادشاہ، شہزادہ جواں بخت اور نواب زینت محل کے علاوہ چودہ زن و مرد اور بھتے، بحسرت و یاس رنگون کو روانہ ہوگیا، تین پالکیاں تھیں ایک میں بادشاہ اور باقی دو میں نواب زینت محل اور نواب تاج محل و عنبر یہا بیگمات تھیں، شہزادہ جواں بخت اور دوسرے لوگ گاڑیوں میں سوار تھے۔ گورے سپاہیوں کا نگران دستہ ہمراہ جارہا تھا۔

سوچو! اس وقت عبرت کیا کہہ رہی ہوگی تاریخ میں یہ کتنا بڑا سانحہ تھا، لیکن ہندوستان کے لوگ بغاوت کا شعلہ فرد ہونے کے ساتھ ہی بجھ چکے تھے، اور در و دیوار کی بے حسی کے ساتھ" انسانوں کے احساسات بھی منجمد ہوگئے تھے۔ شاعر نے شاید ان مسافران شاہی کی زبان ہی سے کہا تھا ؎

سیر کی، پھول چنے، خوب پھرے، شاد رہے،
باغباں جاتے ہیں گلشن ترا آباد رہے،

"انقلابات ہیں زمانے کے" کہ اس دلگداز سانحہ کے پورے چھیاسی برس اور نو ماہ بعد، رنگون سے بعض ایسے قیدی لال قلعہ میں، قانون و عدالت کی بازپرس کے لئے لائے گئے، جو ہندوستان کی اجتماعی خواہش کے خلاف انگریزی فوج میں گئے تھے اور لوٹے، تو اس حالت میں کہ ملک ان کی زندگی کے بچاؤ کو اپنی قومی غیرت کا امتحان سمجھتا تھا —— ع

کہ ہم نے انقلاب چرخ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں

ان نوجوانوں کے مقدمہ میں فوجی عدالت کا ترتیبی نقشہ یہ تھا۔

جج :- میجر جنرل بیئر لینڈ صدر (۲) بریگیڈیئر اے۔بی۔ایچ برک (۳) لفٹیننٹ کرنل سی آر سٹاٹ (۴) لفٹیننٹ کرنل ٹی۔آئی سٹی ونسن (۵) لفٹیننٹ کرنل ناصر علی خان (۶) میجر بی پریتم سنگھ (۷) میجر بنواری لال۔

انتظار یہ جج :- (۱) لفٹیننٹ کرنل جی ایچ جیکسن
(۲) میجر ایس ایس پنڈت
(۳) کیپٹن گوردیال سنگھ رندھوا

جج ایڈووکیٹ :- (۱) کرنل ایف سی اے کیمرن او۔بی۔ای ڈی جے اے جی سنٹرل کمانڈ۔

سرکاری وکلا :- (۱) سر این پی انجنیر ایڈووکیٹ جنرل آف انڈیا۔
(۲) لفٹیننٹ کرنل پی ولیش فوجی پراسیکیوٹر

ڈیفنس کمیٹی کی طرف سے مندرجہ ذیل وکلا تھے۔

(۱) پنڈت جواہر لال نہرو (۲) سر تیج بہادر سپرو (۳) مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی (۴) مسٹر آصف علی (۷) کنور سر دلیپ سنگھ (۸) بخشی سر ٹیک چند (۹) مسٹر پی۔این سین سابق جج پٹنہ ہائی کورٹ (۱۰) مسٹر اندر دیو (۱۱) مسٹر رامند نارائن (۱۲) مسٹر سری نارائن ہینڈے (۱۳) مسٹر گوبند سرن سنگھ (۱۴) مسٹر جگل کشور کھنہ (۱۵) مسٹر رانک لال (۱۶) مسٹر سلطان یار خان (۱۷) مسٹر شیو کمار شاستری۔

سب سے پہلے تینوں ملزموں (شاہنواز، سہگل اور ڈھلوں) کے خلاف چارج شیٹ پڑھکر سنایا گیا، دس الزام تھے

پہلا الزام مشترک تھا کہ تینوں ملازموں نے ملک معظم کے خلاف رنگون ملایا، سنگاپور اور پوپا وغیرہ کے قرب و جوار میں جنگ لڑی جو زیر دفعہ ۱۲۱ تعزیرات ہند قابل مواخذہ ہے، علاوہ ازیں چارج شیٹ کی آٹھ رشقوں میں لفٹیننٹ ڈھلوں کے خلاف، چار آدمیوں کے قتل اور کرنل سہگل پر اعانت قتل کا الزام تھا۔

دسویں رشق میں کپتان شاہ نواز پر توپچی محمد حسین کے قتل کی امداد کا الزام تھا جس کے مرتکب خزان شاہ اور آیا سنگھ ہوئے تھے۔

سر این پی انجنیر نے اس سلسلہ کی تفصیلات بیان کیں اور آزاد ہند فوج کے بننے سے ٹوٹنے تک کے مختلف مدارج پر اپنی اطلاعات کے مطابق وضاحتی روشنی ڈالی حکومت کا ارادہ ۱۲۴ گواہ پیش کرنے کا تھا لیکن آغاز مقدمہ تک ۸۰ گواہ نہ مل سکے، بالآخر حکومت نے تیس گواہوں پر اکتفا کیا اور اپنی بات ختم کر دی؛ صفائی کی طرف سے بارہ گواہ پیش کیے گئے تھے جن میں پانچ بڑے جاپانی افسر اور وزیر تھے انکے علاوہ بعض گواہ آزاد ہند حکومت سے تعلق رکھتے تھے اور ایک گواہ مسٹر بی این نندا، حکومت ہند کے کامن ویلتھ رلیشن ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ تھا۔

۷ر دسمبر ۱۹۴۵ء کو تینوں ملزموں نے عدالت میں اپنے تحریری بیان پڑھ کر سنائے۔

**شاہنواز کا بیان :-** شاہنواز نے آغاز بیان میں اپنے خاندان کی فوجی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں اُس وقت تک سیاسی طور پر کچھ نہیں جانتا تھا جب تک نیتاجی مجھ سے نہیں ملے، اُن کی ملاقات سے پہلے میری محدود سیاسی معلومات صرف انگریز افسروں سے حاصل کی ہوئی تھیں،

محاذ سنگاپور کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا کہ مجھے انگریز افسروں کی بزدلی بہت بُری لگی، اور میں ان سے ناراض بھی ہوا مجھے اس بات سے دکھ ہوا اور غصہ آیا کہ، سنگاپور میں شکست کے بعد برطانی افسروں نے ہندوستانی افسروں سے اقامتی علیحدگی اختیار کر لی،

جب کرنل ہنٹ نے ہندوستانی فوجوں کو مویشیوں کی طرح جاپانیوں کے حوالہ کر دیا، اور میجر فجی وارہ نے ہمیں کپتان موہن سنگھ کی تحویل میں دے دیا، تو میرے لئے آزاد ہند فوج میں شمولیت کا سوال جس کے محرک کپتان موہن سنگھ تھے بم کے دھماکے کی مانند تھا اور میں جاپانیوں سے تعاون کرنا ایک طرح کا اچنبہ سمجھتا تھا،

جنگ کے ان چار سالوں میں، کرنل شاہنواز نے کہا مجھ پر تین حالتیں گذریں،:-

(۱) میں آزاد ہند فوج میں شمولیت کے خلاف تھا کیونکہ میں سمجھتا تھا کہ جاپانی اسے اپنے مطلب کے لئے استعمال کرینگے یہ زمانہ فروری ۱۹۴۲ء سے مئی ۱۹۴۲ء تک کا تھا،

(۲) دوسرا جون ۱۹۴۲ء سے جولائی ۱۹۴۳ء تک کا زمانہ تھا، میں سوچتا رہا اور پھر اپنے سپاہیوں کی بہبودی اور ملک کی حفاظت کے خیال سے شامل ہو گیا۔

(۳) تیسرا جولائی ۱۹۴۳ء سے مئی ۱۹۴۵ء تک کا دور تھا، جب مجھے یقین ہو چکا تھا کہ یہ فوج فی الواقعہ حصول آزادی کے لئے بنائی گئی ہے ہم نے اس بات کا تہیہ کر لیا تھا کہ اگر جاپانی اس فوج کو استعمال کرنا چاہینگے تو ہم اسے اندر سے توڑ دیں گے ——— ! آپ نے ساتھی فوجیوں کے متعلق اپنی خدمات کا سرسری خاکہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ میں نے حتے الامکان اس بات کی کوشش کی، کہ جاپانی ہمیں استعمال نہ کرسکیں، اور ہمیشہ اپنے ملک کی آبرو کو برقرار رکھا، ہم نے اس سلسلہ میں نہ صرف جنگی قیدیوں ہی کی مدد کی بلکہ عام ہندوستانی آبادی کو بھی انکی تکالیف میں اعانت بہم پہنچائی۔

سبھاش کی جادو اثر شخصیت کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے کہا، انکی دلیری اور الوالعزمی نے ہمیں مسحور کر لیا، اور ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی ہندوستان کو نہیں بیچینگے۔ ان کی آواز پر لوگ بھوک، پیاس، اور موت تک سے بے پرواہ ہو کر میدان میں نکل آئے تھے، کوئی بھی خوددار ہندوستانی ایسے راہنما کا حکم ماننے سے انکار نہیں کر سکتا تھا۔

کرنل شاہنواز نے بیان جاری رکھتے ہوئے پر درد لہجہ میں کہا میں جانتا تھا کہ میرے خاندان کو تکلیف ہوگی لیکن مجھے ان کروڑوں ہموطنوں کی

تکلیف ستاتی تھی جو برہنہ اور گرسنہ میری آنکھوں کے سامنے پھرتے تھے۔
میں نے فیصلہ کر لیا کہ ان کی خاطر گھر خاندان، اور اس کی روایات کو
قربان کر دوں گا۔ میں نے اپنے مورچہ پہ اپنے سگے بھائی کے خلاف جو انگریزی
فوج میں تھا، جنگ میں حصہ لیا اور میرا بھائی اسی مورچے پر زخمی ہوا،
اسی طرح میں اپنے چچیرے بھائی کے خلاف دو ماہ تک لڑتا رہا۔

میرے سامنے، نوجوان کرنل نے کہا رہ رہ کر سوال اُٹھتا تھا کہ
**ملک کی خدمت بجا لاؤں یا بادشاہ کی میں نے فیصلہ کر لیا کہ**
**میں اپنے ملک کی خاطر اپنی جان دوں گا۔**

آپ نے برطانی امتیازات کی نا انصافی کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے
خلاف قتل کے عائدہ کردہ الزام کی تردید کی اور بتایا کہ ہم نے جو کچھ کیا
حب الوطنی کے جذبے سے کیا، جنگلوں میں پتے اور گھاس کھائی، نمک
ہمارے لئے عشرت کی چیز تھا۔

ہماری فوج ایک باقاعدہ حکومت کی باقاعدہ فوج تھی اور ہم نے
جو کچھ کیا اپنی حکومت کے حکم سے کیا، لہذا ہم سے کوئی جرم سرزد نہیں ہوا
کرنل سہگل نے الزامات سے انکار کرتے ہوئے

**سہگل کا بیان:۔** بھگوڑے آسٹریلین سپاہیوں کا ذکر کیا اور اپنی
کمپنی کی شاندار خدمات بیان کیں، آپ نے کرنل ہنٹ کے بارے میں
کہا کہ جب اُس نے ہمیں جاپانیوں کی گود میں بھیڑوں کی طرح پھینک
دیا، تو میں نے یہ محسوس کیا کہ اب انگریزوں سے ہمارے تمام تعلقات...

ختم ہو چکے ہیں اور اب ہمیں خود اپنی حفاظت کرنی ہوگی، ہمیں احساس ہو گیا کہ انگریزی تاج ہماری حفاظت کرنے میں بالکل ناکام رہا ہے اور اب اُسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ ہم سے وفاداری کی اُمید کرے۔

آپ نے مزید فرمایا کہ میں نے پہلے آزاد ہند فوج میں شرکت سے گریز کیا لیکن پھر مجھے جلد ہی محسوس ہوا کہ میں غلطی پر ہوں میں نے اپنا ارادہ بدلا اور آزاد ہند فوج میں شریک ہو گیا' ادھر ہندستان میں کانگریس نے قرار داد اگست پاس کی جس سے ہمارے اندر ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی اس تجویز کے بعد ملک میں جو صورت حال پیدا ہوئی' اور جس طرح مظالم کیئے گئے اُس میں ۱۸۵۷ء کی یاد تازہ ہو گئی اور ہمارے دل انگریزوں کیخلاف غصے سے بھر گئے' آپ نے سلسلہ بیان جاری رکھتے ہوئے کہا میں نے جنگی قیدی کے طور پر ہتھیار ڈالے تھے اگر ہمیں اُس وقت بتا دیا جاتا کہ ہماری یہ پوزیشن نہیں ہے تو ہم اپنے ملک کے لیئے خون کا آخر قطرہ بھی بہا دینے کو تیار تھے۔

**ڈھلون:-** لفٹیننٹ ڈھلون نے اپنے بیان میں کہا کہ میں نے ڈیرہ دون ملٹری کالج میں پڑھا تھا کہ ملک کی خدمت کو ہر چیز سے بالا سمجھو اور اس کالج کے چیٹوڈ ہال میں سنہرے الفاظ میں کندہ تھا کہ ملک کی عزت، فلاح اور حفاظت کو ہمیشہ مقدم جانو اپنی کمانڈ کے آدمیوں کی بھلائی آسائش اور بہبود کو ثانوی درجہ دو اور اپنی حفاظت اور آرام کو آخیر میں رکھو'

جب سے میں نے ان کتبوں کو دیکھا تھا، ملکی خدمت کا جذبہ میرے خیالات پر نقش تھا، اور اسی جذبہ کے زیر اثر میں نے ہندوستانی فوج میں کام کیا لیکن ——— لفٹیننٹ ڈھلون نے بیان کے بیچ میں کہا، ملایا میں، جو صورت حال پیدا ہوئی، اس ابتری کو دیکھ کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے محسوس کیا کہ انگریزوں نے ڈیڑھ سو سال میں، ہندوستان کو اپنے مظالم سے ناکارہ کر دیا ہے اور اپنے مفاد کی خاطر ہمارے ملک کے وسائل سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کے علاوہ اپنی سامراجی جنگوں میں ہمارا خون بہایا ہے، آپ نے اس بات کی تردید کی کہ ہم نے کسی سپاہی کو اس کی مرضی کے خلاف لڑنے پر مجبور کیا آپ نے سرکاری گواہوں کے ان حکایتوں کو جن میں ظلم و ستم کا ذکر تھا، الف لیلا کی داستان سے تشبیہ دیتے ہوئے بے بنیاد اور غلط ٹھہرایا اور آخر میں کہا میں نے جو کچھ بھی کیا آزاد ہند گورنمنٹ کی باقاعدہ فوج کے افسر کی حیثیت سے کہا، لہذا مجھ پر انڈین ایکٹ کے ماتحت مقدمہ نہیں چلایا جا سکتا ہے

**بھولا بھائی ڈیسائی:-** یکم دسمبر ۱۹۴۵ء کو ہندوستان کے دستوری اور آئینی شہ دماغ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی آنجہانی نے اپنی تاریخی بحث کا آغاز کیا،

آپ نے عائد کردہ الزامات کی نوعیت پر اپنی آئینی تصریحات بیان کرتے ہوئے فرمایا، اس مقدمہ میں جو ساری آزاد ہند فوج کی عزت اور ہندوستان بھر کی آبرو کا مقدمہ ہے یہ سوال مضمر ہے اور اس بات کا امتحان

ہے کہ آیا غلام قوم کو یا اس کے کسی اہم حصہ کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنی غلامی کی زنجیریں کاٹ پھینکے اور اس مقصد کے لئے اعلان جنگ کرے؟ میں یہ ثابت کروں گا کہ بین الاقوامی قوانین ایک قوم کو ایسی جنگ کرنے کا حق دیتے ہیں اور ملزموں نے بادشاہ کے خلاف جنگ کرنے میں کوئی جرم نہیں کیا۔ یہ مقدمہ صرف تین ملزموں کا ذاتی مقدمہ نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے پیدائشی حق کی آزمائش ہے۔

آپ نے آزاد ہند حکومت کی خود مختارانہ اہمیت کو دلائل سے واضح کرتے ہوئے کہا یہ کوئی دلیل نہیں کہ جن حکومتوں نے آزاد ہند حکومت کو تسلیم کیا وہ جاپان اور جرمنی کی پیٹھو تھیں سوال تو یہ ہے کہ اتنی قوموں نے آزاد ہند حکومت کو تسلیم کیا؟ ہر قوم کو جنگ لڑنے کا اختیار ہے، اور اس جنگ میں جو واقعات ہوں وہ جائز ہیں۔ بشرطیکہ وہ بین الاقوامی قانون کے خلاف نہ ہوں ایسے تمام جرموں کا مقدمہ معمولی عدالتوں یا کورٹ مارشل کے سامنے نہیں ہو سکتا، جب ایٹم بم کے استعمال پر کوئی مقدمہ نہیں چل سکتا تو اپنی غلامی کا جوا اتارنے کی سعی پر مقدمہ کیوں چلے؟

"ملزموں کے مقاصد نیک تھے" مسٹر ڈیسائی نے اس پر زور دیتے ہوئے کہا، کہ جنگ میں جو کچھ ہو جائے وہ جائز ہے۔

آپ نے انٹرنیشنل لا کے متعلق مختلف قانونی کتابوں کے حوالے پیش کئے اور اکثر یورپی ملکوں کی ایسی لڑائیوں سے جواز نکالتے ہوئے ثابت کیا کہ آزاد ہند حکومت کا اعلان جنگ جائز تھا۔

آپ نے مزید فرمایا کہ اگر بغاوت کامیاب ہو جائے تو عارضی حکومتیں باقاعدہ حکومت بن جاتی ہیں اور سب دنیا انہیں تسلیم کر لیتی ہے، جیسا کہ روس کی بالشویک بغاوت کے بعد روس کی کمیونسٹ گورنمنٹ کو تسلیم کر لیا گیا تھا اور اگر آزادی کیلئے بغاوت ناکام بھی ہو جائے تو باغی لوگوں کو مجرم نہیں جاننا چاہیئے کہ وہ ایک نیک اور جائز مقصد کے لئے لڑتے ہیں۔

دفعہ ۱۲۱ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ ان پر یہ دفعہ عائد ہی نہیں ہوتی ہے، اس لئے کہ انہوں نے جو کچھ کیا وہ اپنے فرائض کے معمولی دور میں کیا، اگر انہوں نے اعلیٰ افسر کی حیثیت سے بھاگنے والے مجرموں کو سزا بھی دی تو کوئی جرم نہیں کیا، کسی بھی ملک میں ججوں کو مقدمہ میں سزا دینے کے لئے ملزم نہیں گردانا جاتا۔

آپ نے مسٹر چرچل کی ایک تقریر کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بغاوت کو انسان کا پیدائشی حق قرار دیا ہے، اور ساتھ یہ بھی کہا ہے کہ اگر حکومت کے حقوق ہیں تو باغیوں کے بھی حقوق ہیں۔

نظر بر آں مسٹر ڈیسائی نے فرمایا اس جنگ میں بلجیم، ہالینڈ، اور پولینڈ وغیرہ کی حکومتیں لندن کے ہوٹلوں میں قائم تھیں اور انکے ماتحت زمین کا ایک چپہ بھی نہ تھا، لیکن اس کے باوجود انکو آزاد حکومتیں مانا گیا اس لئے کہ وہ اپنے ملک کی آزادی کے لئے لڑ رہی تھیں، اسی اصول پر آزاد ہند حکومت کے لئے وجہ جواز نکالی جا سکتی ہے، جو قانون یورپ

کے لئے صحیح ہے وہ ہمارے ملک کے لئے کیوں صحیح نہیں ؟

آپ نے وفاداری کے سوال پر کپتان ارشاد کی ترجیحات بیان کرتے ہوئے فرمایا یا غلام ملک کے لئے بادشاہ اور ملک ایک سا درجہ یا ایک سی کشش نہیں رکھ سکتے ہندوستانیوں کو قدرتی طور پر اپنا ملک بہت پیارا ہے ——— ! جہاں اپنا بادشاہ ہو وہاں تو ملک اور بادشاہ میں بہت کم فرق ہوتا ہے مگر جس ملک میں بادشاہ زبردستی ٹھونسا گیا ہو وہاں بادشاہ کا درجہ ملک کے برابر نہیں ہو سکتا۔

مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی نے لگاتار دو دن تک مقدمہ کے ہر پہلو پر عظیم الشان بحث کی، سینکڑوں قانونی کتابوں سے دلائل مہیا کئے اور بے شمار مثالوں سے ملزموں کی بے گناہی کو ثابت کیا، اور بین السطور میں اس بات پر زور دیا کہ یہ مقدمہ اپنی شان کا انوکھا مقدمہ ہے، یہ تین آدمیوں کا ذاتی مقدمہ نہیں بلکہ پورے ہندوستان کے ناموس کی آزمائش ہے۔

**ایڈوکیٹ جنرل:** سر نوشیرواں پی انجنیئر ایڈوکیٹ جنرل نے سرکار کی طرف سے مقدمہ کا جواز ثابت کیا اور مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی آنجہانی کے دلائل کو زیر بحث لاتے ہوئے کہا کہ محض مقصد کا اچھا ہونا جرم کے فعل کو نہیں مٹا سکتا البتہ سزا دیتے وقت اس نکتہ پر غور کیا جا سکتا ہے۔

آپ نے بہت سے قانونی نکات واضح کئے اور بتایا کہ قتل کے الزام

ہیں، کونسی باتیں وقوع میں آنا ضروری سمجھی جاتی ہیں، آخر میں آپ نے تسلیم کیا کہ ایسی شہادتیں کافی نہیں ہیں جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ ملزموں نے یہ کام ذاتی اغراض کے زیر اثر کئے بلکہ ان کے اپنے خیال میں ملکی فلاح وبہبود سے متعلق تھے گو اس سے وہ قانون کی نگاہ میں بے جرم ثابت نہیں ہوتے لیکن اتنا ضرور ہے، کہ ان کی سزا تجویز کرتے وقت ان کی نیک نیتی اور جذبہ حب الوطنی پر غور کیا جا سکتا ہے۔

رہائی :- ۳ ر جنوری ۱۹۴۶ء کو حکومت ہند نے دہلی سے ایک سرکاری اعلان شائع کیا، جس کی رو سے ہر سہ ملزموں کو رہا کر دیا گیا، اعلان کا مضمون یہ تھا

"کپتان شاہ نواز خاں، کپتان سہگل اور لفٹیننٹ ڈھلن تینوں کے خلاف کورٹ مارشل میں اس الزام میں سماعت ہوئی کہ انہوں نے ملک معظم کے خلاف جنگ کی لفٹیننٹ ڈھلن پر قتل کا بھی الزام تھا اور باقی دونوں پر اعانت قتل کا کورٹ مارشل کا یہ فیصلہ ہے کہ تینوں ملزم ملک معظم کے خلاف جنگ کرنے کے جرم کے مرتکب ہوئے ہیں کپتان شاہ نواز کے خلاف اعانت قتل کا جرم بھی ثابت ہے لفٹیننٹ ڈھلن قتل اور کپتان سہگل اعانت قتل کے الزام سے بری کر دیئے گئے ہیں، ملک معظم کے خلاف جنگ کرنے کے جرم کا مرتکب گردانے کے بعد عدالت پر یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ ملزمان کو موت یا عمر قید کی سزا دے۔ قانون کے ماتحت اس سے کم کی سزا نہیں دی جا سکتی۔ کورٹ مارشل نے تینوں

ملزموں کو عمر قید کی سزا دی اور ان کی برخاستگی اور ان کی بقایا تنخواہ الاؤنس کی ضبطی کا حکم دیا۔ کورٹ مارشل کا کوئی فیصلہ مکمل نہیں سمجھا جا سکتا، تاوقتیکہ اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔ اس معاملہ میں تصدیق کنندہ افسر یعنی کمانڈر انچیف نے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ ہر ملزم کے متعلق کورٹ مارشل کا فیصلہ شہادت اور ثبوت کے مطابق ہے۔ اس لئے اس نے حکم سزا کی تصدیق کر دی ہے۔ لیکن تصدیق کنندہ افسروں کو سزاؤں میں کمی کرنے یا سزائیں معاف کر دینے کا اختیار ہے جیسا کہ اخباروں میں اعلان کیا جا چکا ہے حکومت ہند کی یہ پالیسی ہے کہ آئندہ صرف ایسے اشخاص کے خلاف سماعت کی جائے جن پر حکومت کے خلاف جنگ کرنے کے علاوہ وحشیانہ مظالم کرنے کا الزام ہو۔ البتہ یہ اعلان کیا جا چکا ہے کہ سزاؤں کے احکام پر نظر ثانی کرتے وقت تصدیق کنندہ افسر یہ دیکھے گا کہ ملزموں کے خلاف جو افعال ثابت ہوئے ہیں وہ مہذبانہ رویہ کے اصولوں کے کہاں تک منافی ہیں لیفٹیننٹ ڈھلن اور کیپتان سہگل کو قتل اور اعانت قتل کے الزام سے بری کر دیا گیا اور یہ الزام نہیں لگایا گیا کہ وہ دوسرے وحشیانہ فعلوں کے مرتکب ہوئے۔ اگرچہ کیپتان شاہ نواز پر اعانت قتل کا الزام ثابت ہے اور ان کے خلاف جو افعات ثابت ہیں سنگین ہیں تاہم تصدیق کنندہ افسر نے ان حالات کا لحاظ رکھا ہے جو اس وقت طاری ہیں۔ اس لئے کمانڈر انچیف نے فیصلہ کیا ہے کہ تینوں ملزموں سے سزاؤں کے معاملہ میں یکساں سلوک کیا جائے اور تینوں کی عمر قید کی

سزا معاف کر دی جائے۔ مگر تصدیق کنندہ افسر نے ملزموں کی برخاستگی اور بقایا تنخواہ اور الاؤنس کی ضبطی کے حکم کی تصدیق کر دی ہے۔ کیونکہ ہر حالت میں ایک افسر یا سپاہی کے لئے یہ بہت سنگین جرم ہے کہ وہ اپنے عہد وفاداری سے انحراف کرے اور حکومت کے خلاف جنگ کرے۔ یہ ایسا اصول ہے جس کی پابندی قانون کی رو سے قائم شدہ حکومت کے حق میں خواہ وہ موجود ہو یا آیندہ لازمی ہے۔"

**ہندوستان کی جیت:۔** ان تینوں کی رہائی در اصل ہندوستانی رائے عامہ کی جیت تھی، اور برطانوی عملداری کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا مقدمہ تھا، جس میں رائے عامہ کے وزن کو حکومت نے محسوس کیا اور سپر انداز ہو گئی۔

ملک میں رہائی کی خبر سے شادمانی کی لہر دوڑ گئی۔ تینوں نوجوانوں کے استقبال کے لئے لوگوں نے آنکھیں بچھا دیں، بڑے بڑے شہروں میں دیپ مالا کی گئی، پنجاب کے بعض شہر تو نئی نویلی دلہن کی طرح سجائے گئے اور چراغوں کی بہار نے وہ رنگ باندھا جیسے آکاش کی پریاں سطح ارضی پر اپنے نورانی قہقہے چھوڑ گئی ہوں یا کسی آسمانی رقاصہ کے دامن سے ستارے بکھر گئے ہوں۔

لال قلعہ کی سرخ سلیں مسکرائیں انہیں وقت کی اس ادا پر ہنسی آ رہی تھی، کہ ایک زمانہ میں اس قلعہ کے وارثوں کا تاج کچلا ہی چھن رہا تھا، اور پورا ہندوستان مردہ لاش کی طرح سرد تھا لیکن آج تین قیدیوں کی خاطر اس

کے در و دیوار ہلا دئے گئے ہیں اور سارا ملک شعلہ جوالہ بنا ہوا ہے۔

حکومتوں کی فطرت ہے کہ وہ اکثر اپنے نہاں خانہ دماغ میں "پرسٹیج" نام کا بُت تراش لیتی ہیں، اور موقعہ بے موقعہ اسکی پوجا کیا کرتی ہیں۔

ملک نے جس دھوم سے ان نوجوانوں کا خیر مقدم کیا اور عوامی زندگی میں جو رنگ پیدا ہو گیا اس سے حکومت کی جبیں پر وقار کی چند شکنیں ابھریں، اور خیال کا زاویہ بدلا، چنانچہ کپتان عبد الرشید کے مقدمہ میں انصاف نے شوخ چشمی اختیار کر لی اور اس نوجوان کو سات سال سزا دیدی گئی۔

**کپتان عبد الرشید کا مقدمہ:۔** آزاد ہند فوج کے اسیروں کا یہ دوسرا مقدمہ تھا، ملزم نے اپنے بیان میں اپنی شمولیت کا باعث یہ بتایا کہ وہ صرف اس خیال سے آزاد ہند فوج میں شریک ہوا تھا کہ اسے ہندوستان میں ہندو غلبہ کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا، میاں عبد العزیز بیرسٹر نے مسلم لیگ کی طرف سے اس مقدمہ کی پیروی کی، عدالت نے حبس دوام کی سزا تجویز کی، کمانڈر انچیف نے سزا گھٹا کر سات سال کر دی، کلکتہ کے مسلم نوجوانوں نے ہندو نوجوانوں کو ساتھ لے کر اس سزا یابی کے خلاف کئی دن تک مظاہرے کئے گولی چلی، بہت سے ہلاک ہو گئے، سارے شہر میں لگاتار توڑ پھوڑ کا عمل رہا اور چار پانچ روز کے بعد حالات سکون پذیر ہوئے، دلی میں بھی جشن فتح کے جلوس کا مقاطعہ کیا گیا، مسٹر جناح اور مسلم لیگ پارٹی نے سنٹرل اسمبلی میں اس اختلافی و امتیازی سلوک پر ناراضی کا اظہار کیا اور حکومت کے خلاف شدید نکتہ چینی کی، کانگرس پارٹی نے بھی ساتھ دیا۔

**کپتان برہان الدین کا مقدمہ:-** تیسرا مقدمہ کپتان برہان الدین کا تھا جو آزاد ہند فوج میں بہادر گروپ کے کمانڈنگ آفیسر تھے آپ مہتر چترال کے چھوٹے بھائی ہیں ------ آپ کے نام سے لاہور ہائیکورٹ میں مرافعہ گذارا گیا کہ ریاستی باشندہ ہونے کی وجہ سے آپ کے خلاف برطانوی ہندوستان کی کوئی عدالت مقدمہ سننے کی مجاز نہیں ہے سر بخشی ٹیک چند نے آپ کی طرف سے فاضلانہ بحث کی لیکن مرافعہ خارج ہو گیا ------ ؛

دہلی کی فوجی عدالت میں آپ نے ۵ ر فروری ۱۹۴۶ء کو بیان دیتے ہوئے کہا میرا آزاد ہند فوج میں شامل ہونا انصاف پر مبنی تھا میں نے انتہائی باعزت کام کیا ہے اور اپنے ملک کے تئیں اپنے فرائض پورے کئے ہیں آپ نے مزید فرمایا میں آزاد ہند حکومت کا وفادار ہوں آزاد ہند فوج میں شامل ہونا میرا حق تھا

میں صفائی نہیں دینا چاہتا تھا اس لئے نہیں کہ میں خود کو مجرم گردانتا تھا بلکہ اس لئے کہ میں محسوس کرتا ہوں میں نے نہایت بلند اور غیر متمدانہ کام کیا ہے آپ نے عائد کردہ الزامات کی صحت سے انکار کیا اور فرمایا کہ بچپنے ہی سے میرا اصول خدا کی عبادت اور خوشنودی تھا جس کا مطلب خدمت خلق ہے ---- اگر مجھے اپنے ملک اور بادشاہ کی وفاداری میں سے کسی ایک کی وفاداری منتخب کرنی ہو تو میں بلا جھجک ملک کی وفاداری کو چن لوں گا عدالت نے آپ کو بھی عمر قید کی سزا دی جو گھٹا کر سات برس کر دی گئی

اور سزا یابی کے بعد آپ کو کسی نامعلوم جگہ پہنچا دیا گیا۔

**چوتھا مقدمہ:۔** چوتھا مقدمہ جمعدار فتح خاں اور صوبیدار اشنگھار اسنگھ کا تھا جو لال قلعہ میں تیسرے کورٹ مارشل کے روبرو سماعت ہوا، ان کی طرف سے ڈاکٹر کیلاش ناتھ کاٹجو نے زبردست بحث کی، گیارہ فروری ۱۹۴۶ء کو دونوں ملزموں نے اپنے اپنے بیانات دئے جمعدار فتح خاں نے کہا میں خود کو آزاد ہند فوج کا سپاہی سمجھتا ہوں مجھے عدالت کے فیصلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، قرآن مجید کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا، کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مرنے والے زندہ جاوید ہوتے ہیں، ملک کی محبت ہی مذہب ہے اس عقیدہ ہی کی بنا پر میں نے خدا اور رسول کے حضور میں قیامت کو سرخرو ہونے کیلئے وطن اور اہل وطن کی خدمت کا حلف اٹھایا تھا میں نے اپنے فرض کو ادا کیا ہے، اور جو باقی رہ گیا ہے اُس کی خواہش رکھتا ہوں،

جمعدار اشنگھار اسنگھ نے بھی، عدالت کے فیصلے سے غیر دلچسپی کا اظہار کیا اور کہا اس فیصلہ کی نسبت مجھے اپنے ہم وطنوں کا فیصلہ محبوب ہے، اگر اُن کا فیصلہ میرے حق میں ہے تو میں مطمئن ہوں،

دونوں ملزموں کو چودہ چودہ برس قید کی سزا دی گئی اور غالباً آجکل ڈسٹرکٹ جیل ملتان میں قید کے دن بسر کر رہے ہیں۔

**ڈراپ سین:۔** ان مقدمات کے بعد حکومت کچھ عرصہ کے لئے رک گئی کیونکہ ملک میں خاص قسم کے تعمیری) حالات کا آغاز ہو نیوالا تھا، اُدھر پہلے مقدمہ کے بعد دوسرے مقدموں میں حکومت کا بدلا ہوا رویہ

رائے عامہ کے ذہن پر ایک بوجھ سا تھا، اور احساسات میں ناراضی کا رنگ چڑھ رہا تھا، گیارہ فروری کو پنڈت گوبند مالویہ نے سنٹرل اسمبلی میں آزاد ہند فوج کے اسیروں کی رہائی کا مطالبہ پیش کیا اور غیر سرکاری بنچوں سے حکومت کے خلاف خوب گرما گرم تقریریں ہوئیں۔

یہ قضیہ ابھی اس کشاکش ہی میں تھا کہ مارچ کے پہلے دنوں میں ٹالوی مشن ہندوستان آپہنچا، یکم اپریل کو دستوری مذاکرات شروع ہو گئے اور ہوا کا رخ پلٹ کر ان کی طرف ہو گیا، مئی کے آغاز میں معلوم ہوا کہ حکومت اس سلسلہ میں مزید مقدمات چلانے کا ارادہ رکھتی ہے، پنڈت جواہر لال نہرو نے اس ارادہ کو چیلنج کیا، گاندھی جی لارڈ ویول سے ملے اور پھر ان اسیروں کے کیمپ میں تشریف لے گئے، چنانچہ مئی کے دوسرے ہفتہ میں حکومت نے اپنے ارادے کو ترک کر دیا اور بلا استثنا تمام نظر بند چھوڑ دیے۔ لیکن سزا یافتہ قیدی ابھی تک قید خانوں کی چار دیواری کے اندر پڑے ہوئے مستقبل کا راستہ دیکھ رہے ہیں۔

لال قلعہ کی عمارت دو "تماشے" گذار کر اب تیسرے تماشے کے انتظار میں ہے، اور یہ تیسرا تماشا ابھی پردہ عدم میں ہے؎

زندگی در پئے تغیر جہان دگر است۔

چپ

سیرت خد و خال میں نہیں بلکہ اعمال میں ہوتی ہے۔

(بعض خاکے جو مہیا ہو سکے ہیں)

**میجر جنرل شاہنواز:** جنوری سنہ ۱۹۱۴ء کو جنجوعہ راجپوت خاندان میں پیدا
ہوئے آپ کا آبائی وطن موضع مٹور ضلع راولپنڈی
ہے، آپ کے والد لفٹیننٹ ٹکا خاں نے تیس برس تک فوجی ملازمت کی،
آپ کا خاندان ہندوستان بھر میں اپنی فوجی روایات کے باعث یگانہ ہے
اس وقت بھی آپ کے ساٹھ رشتہ دار فوجی ملازمت کی سلک میں
منسلک ہیں، سنہ ۱۹۲۳ء میں آپ کے والد رحلت کر گئے اور آپ دادا چچا
کی سرپرستی میں آگئے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں پائی اور سنہ ۱۹۲۶ء میں ملٹری
کالج ڈیرہ دون میں داخل ہو گئے سنہ ۳۲ء میں فوجی امتحان پاس کر لیا اور
مختلف انعام پائے سنہ ۳۵ء میں انڈر آفیسر بن گئے فروری سنہ ۱۹۳۶ء میں ۱/۱۴ رجمنٹ
جہلم کے ماتحت آفیسر مقرر ہوئے اور پھر جلد ہی وزیرستان کی جنگ کو
چلے گئے وہاں سے ۱۹۳۹ء میں فیروزپور آگئے اور کمپنی کمانڈر بنائے گئے ۲۹
جنوری ۱۹۴۲ء کو سنگاپور بھیجے گئے، یہاں ایک دو معرکوں میں جاپان سے

تصادم ہوا، پندرہ فروری کو اپنے افسر کے حکم سے جاپانی حراست قبول کر لی، پھر ایک عرصہ کے غور و فکر کے بعد آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے، سبھاش بابو کی آمد نے آپ کے خیال پر گہرا اثر ڈالا سبھاش رجمنٹ کے کمانڈر رہے، عارضی حکومت میں آپ کو وزیر بنا دیا گیا، مختلف محاذوں پر لڑتے رہے، اور خوب خوب داد شجاعت دی، سبھاش بابو اور جاپانی ہائی کمان نے آپ کو مبارکباد کے تار بھیجے، آپ نے آزاد ہند فوج میں مختلف مدارج و مناصب حاصل کئے، آپ کو سبھاش بابو نہایت عزیز رکھتے تھے برطانوی فوج میں آپ کا عہدہ کپتان کا تھا آزاد ہند فوج میں لفٹیننٹ سے میجر جنرل کے عہدے پر پہنچ گئے،

آپ نے انتخابی مہم میں کانگرس کو بعید فائدہ پہنچایا ہے، آجکل آزاد ہند فوج کی ریلیف کمیٹی کے انچارج ہیں، آپ کی تقریر میں خطیبانہ شکوہ نہ ہونے کے باوجود ایک رس ہوتا ہے، جس کو آپ بیتی کی سرامتی جرعہ کشوں کے لئے شراب دو آتشہ بنا دیتی ہے، سبھاش بابو کا نام آتے ہی آپ کی پلکیں بھیگ جاتی ہیں، اور طبیعت مضطرب سی ہو جاتی ہے، یہ خلوص کا فطری تقاضہ ہے،

کانگرس نے آپ کو اپنی رضا کارانہ تنظیم کا جنرل آفیسر کمانڈنگ بنایا ہے، آپ ان دنوں ملک کی آئندہ جنگ آزادی کا دیباچہ تیار کرنے میں مشغول ہیں۔ شاہنواز تلوار کی شوخی ہے جو انسانی قامت میں ڈھلی ہوئی ہے۔

کرنل پریم سہگل:۔ ہوشیار پور میں ۲۵ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے آپ کے

والد مسٹر جسٹس اچھرو رام لاہور ہائی کورٹ کے جج ہیں' زندگی کا آغاز جالندھر میں گذارا سنہ ۳۰ء میں آپ کے اقربا لاہور آ گئے' سنٹرل ماڈل سکول لاہور سے میٹرک اور گورنمنٹ کالج لاہور سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کیا۔ پھر ملٹری کالج ڈیرہ دون کے امتحانی مقابلہ کے لیے منتخب ہو گئے ۲۹ر جنوری سنہ ۱۹۴۰ء کو کمشنڈ آفیسر بنا دیے گئے اور پانچویں بلوچ رجمنٹ میں تقرری ہوئی ۱ر اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء کو ملایا بھیجے گئے وہاں سے سنگاپور اور پھر ملایا کے جنوب مشرقی ساحل کی طرف منتقل ہو گئے' نومبر کے اخیر میں آپ کو قائم مقام کپتان بنا دیا گیا' ۱۴ فروری سنہ ۱۹۴۲ء کو جاپان کی حراست میں آ گئے اور پندرہ فروری کو سنگاپور پر جاپانی قبضہ ہو گیا کچھ دن فیرو کیمپ میں نظر بند کے طور پر رہے' پھر آزاد ہند فوج میں شریک ہو گئے' مختلف محاذوں پہ رہے' فوجی ہیڈ کوارٹر رنگون کے انچارج آفیسر اور ہیڈ کوارٹر سپریم کمانڈ میں ملٹری سکریٹری کا عہدہ حاصل کیا' اسی طرح مختلف اوقات میں مختلف فرائض انجام دیے' جنگی مورچوں پر نہایت قابلیت کا ثبوت بہم پہنچایا اور بالآخر ۲۸ر اپریل کو اتحادی کمانڈر کے روبرو بحیثیت جنگی قیدی ہتھیار ڈالے' آزاد ہند فوج میں آپ کو کرنل کا رینک حاصل تھا'

دراز قد کا یہ خوبصورت نوجوان کسی شاعر کی شگفتہ آرزو ہے جس کو میدان جنگ، کی آب و ہوا نے اپنی طرف کھینچ لیا تھا'

**لفٹیننٹ کرنل ڈھلون:۔** پورا نام گوربخش سنگھ ڈھلون ہے آپ کے والد سردار ٹھاکر سنگھ ڈھلون نے ۳۲ برس

تک فوجی ملازمت کی، تین بھائی اور ہیں، دو فوج میں اور ایک محکمہ جنگلات میں ملازم ہے آپ کا آبائی وطن چک نمبر ۲۲ ڈاکخانہ چھانگا مانگا تحصیل چونیاں ضلع لاہور ہے مارچ ۱۹۱۴ء میں پیدا ہوئے تو مختلف مدرسوں میں، دسویں تک تعلیم پائی، پھر گارڈن مشن کالج راولپنڈی میں داخل ہو گئے یہاں مختلف مذاہب سے دلچسپی پیدا ہو گئی، اور روایتی تعصب جاتا رہا، طبیعت کا میلان، میڈیکل تعلیم کی طرف تھا لیکن ایف ایس سی کے امتحان میں کامیاب نہ ہو سکے، والد نے دوبارہ مجبور کیا۔ کامیابی کا رشتہ پھر بھی ہاتھ نہ آیا، آخر فوج میں بھرتی ہونے کی خواہش ظاہر کی والدمان گئے ۲۹ مئی ۱۹۳۳ء کو بطور سپاہی بھرتی ہو گئے۔ آپ کی پلٹن کا کمانڈر ایک سکھ صوبیدار تھا، جو ضلعی تعصب میں مبتلا تھا، اور ان پڑھ ہونے کے باعث آپ سے خار کھاتا تھا، ایک مسلمان صوبیدار ہیڈ کلرک نے آپ کی اعانت کی جس سے ترقی کا راستہ مل گیا، لیکن شخصی کانٹوں نے بھی دامن نہ چھوڑا، ادھر غریبی نے دنیا اداس کر دی، ارادہ ہوا نوکری چھوڑ دی جائے، لیکن والد نے ڈھارس بندھائی، حالات کی انہی ٹھوکروں میں ڈیرہ دون ملٹری کالج تک رسائی ہو گئی اور کمشنڈ آفیسر بن گئے انہی ایام میں آپکو تجربہ سے یہ معلوم کر کے دکھ ہوا کہ برطانوی اور ہندوستانی افسروں میں امتیازی حدیں قائم ہیں،

جنگ چھڑ گئی تو آپ کو جاپانی محاذ کی طرف بھیجدیا گیا جہاں مختلف میدانوں میں جانتوڑ حصہ لیا، اتحادی فوجوں کو شکست ہو گئی تو آپ بھی

دوسروں کی طرح جنگی قیدی بنائے گئے، یہاں جنرل موہن سنگھ کے ساتھ ہوگئے، اور پہلی آزاد ہند فوج میں شرکت کرلی پھر یہ فوج خاص مشکلات میں محصور ہوکر، جاپانی افسروں کی رائے کے تصادم سے ٹوٹ گئی وہ مشکلات آپ کے الفاظ میں حسب ذیل تھیں (۱) احساس ہزیمت اور فقدان ایثار۔ (۲) اخلاق اور تنظیم کی کمی (۳) فرقہ وارانہ اثرات (۴) موہن سنگھ کا چھوٹا فوجی درجہ (۵) جاپانی دخل اندازی (۶) برطانیہ کے حامی افراد (۷) خود غرض اور موقعہ پسند لوگ۔

سبھاش بابو کی آمد پر اپنے نمایاں کارناموں سے اور بھی نمایاں ہوگئے، اور مختلف معرکوں میں عظیم الشان پامردی کا ثبوت بہم پہنچایا، نہرو بریگیڈ کے کمانڈر بھی رہے، اور آزاد ہند فوج میں ترقی کرکے لفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر پہنچ گئے آپ کی زندگی پر اس سلسلہ میں جنرل موہن سنگھ کا گہرا اثر ہے اور ہمیشہ گفتگو میں انکی خوبیوں کو سراہتے ہیں،

۷ار مئی ۱۹۴۵ء کو پیگو میں گرفتار ہوگئے اور وہاں سے پانچ جولائی ۱۹۴۵ء کو دہلی کے لال قلعہ میں لایا گیا۔

ڈھلون ایک معیاری سپاہی ہے جو بہادری کے سوا کچھ نہیں جانتا اس کا ذوق رزم آرائی مہابھارت کی جنگ کے اجلے تصور سے تیار ہوا ہے۔

کرنل حبیب الرحمن: میرپور جموں کے ایک ممتاز راجپوت خاندان کے چشم و چراغ ہیں، آپکے افراد خاندان ریاست کشمیر اور برطانوی ہند میں مختلف ممتاز عہدوں پر مامور ہیں جن میں میجر جنرل سردار بہادر راجہ فرمان علی خاں

خان بہادر راجہ محمد افضل خان سابق ہوم منسٹر کشمیر حال کمشنر ملتان ڈویژن، راجہ عبدالرحمان خان قائمقام چیف منسٹر ریاست الور راجہ محمد سرور وزیر وزارت جموں کے اسما قابل ذکر ہیں،

آپ دسمبر ۱۹۱۳ء میں پیدا ہوئے، پرنس آف ویلز کالج جموں سے بی اے کا امتحان اعزازی طور پر پاس کیا پھر ڈیرہ دون ملٹری کالج میں داخل ہو گئے کامیابی کے بعد صوبہ سرحد میں تقرر ہوا پھر پنجاب آگئے لاہور سے اپنی رجمنٹ کے ساتھ سکندر آباد چلے گئے وہاں سے مارچ ۱۹۴۱ء کو سمندر پار بھیجا گیا، ملایا میں بریگیڈ انٹیلیجنس آفیسر کے طور جنگی خدمات انجام دیں، برطانوی فوج میں کرنل ڈھلون آپکے اسسٹنٹ بنے جاپانیوں کے خلاف جی جان سے لڑے سقوط سنگاپور ہو گیا تو آزاد ہند فوج سے وابستہ ہو گئے، بنکاک کانفرنس میں اسیر ہندوستانی فوج کی نمائندگی کی سپریم ہیڈ کوارٹر کی ایڈمنسٹریشن برانچ کے انچارج آفیسر مقرر کئے گئے، پھر آپ کو آفیسرز ٹریننگ سکول کا کمانڈر مقرر کر دیا گیا بلکہ اس اسکول کی بنیاد رکھنے والے ہی آپ تھے میدان کارزار کے دشوار مرحلوں میں اپنی ہمت کا لوہا منوا لیا، اور سبھاش بابو کے معتمد علیہ بن گئے عارضی حکومت میں منسٹر بنائے گئے کئی دفعہ چیف آف دی سٹاف کا عہدہ سنبھالا، جب نیتاجی برما کو چھوڑنے لگے تو آپ انکے پرسنل اسسٹنٹ کی حیثیت سے ہوائی طیارہ میں ساتھ گئے اور جب اس طیارے کو حادثہ پیش آیا تو آپ بھی شدید زخمی ہوئے مئی ۱۹۴۶ء میں دہلی سے رہا کر دئے گئے آپ کو آزاد ہند فوج میں کرنل کا عہدہ حاصل تھا:

اقبال نے آپ ایسے نوجوانوں کے لئے ہی کہا ہے ؎

ضرورت مجھے اُن جوانوں کی ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

**کرنل بھونسلے:۔** پورا نام جگن ناتھ راؤ بھونسلے ہے، مشہور مرہٹہ شاہی خاندان بھونسلے کی یادگار ہیں ۱۹۰۶ء میں مہاراشٹر کے نیرد نامی گاؤں میں پیدا ہوئے ۱۴ برس کی عمر میں ڈیرہ دون کے پرنس آف ویلز کالج میں داخل کئے گئے یہاں سے تعلیم ختم کر لی تو انگلستان میں اعلیٰ فوجی تعلیم کے لئے بھیجے گئے ۱۹۲۹ء میں کمشنڈ آفیسر کا عہدہ ملا اور لنکا شائر رجمنٹ میں مامور ہوئے ایک سال بعد رائل مرہٹہ انفنٹری میں تبدیل ہو گئے ۱۹۳۷ء میں کپتان بن گئے اسی سال حکومت ہند نے آپکو شاہ جارج ششم کی تاجپوشی میں شامل ہونے کیلئے چنا اور والیان ریاست کے ساتھ بکنگھم محل کی شاہی تقریب میں شریک ہوئے۔

انگلستان سے واپسی پر آپ نے مہاراجہ گائیکواڑ آف بڑودہ اور دوسرے ساتھیوں کے ساتھ یورپ کے بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی۔ روس بھی گئے اور جاپان و امریکہ میں بھی پھرے، واپسی پر آپ پہلے ہندوستانی تھے جنہیں، جنرل سٹاف ٹریننگ کورس کے لئے منتخب کیا گیا، اور تربیت کے بعد لفٹیننٹ کرنل بنا دئے گئے اس جنگ میں آپکو سنگاپور میں گورکھا رائفلز انفنٹری کے ساتھ بھیجدیا گیا جب برطانوی فوجوں نے ہتھیار ڈال دئے تو آپ پہلی آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے، سبھاش بابو نے جب عارضی حکومت قائم کی تو آپ کو بھی وزیر بنایا گیا، آپ نے اس فوج میں

چیف آف دی سٹاف کا سب سے اعلیٰ عہدہ پایا۔ لفٹیننٹ ناگ نے کرنل حبیب الرحمٰن اور آپ کے حکم ہی سے آزاد ہند فوج کا ایکٹ تیار کیا تھا۔ آپ نے مختلف معرکوں میں اپنی دھاک بٹھا دی۔

آپ کی بیوی سیواجی مرہٹہ کے دوسرے بیٹے راجارام کی اولاد میں سے تھی آپ تمباکو نوشی سے پرہیز کرتے ہیں۔ آپ کی اولاد تین لڑکیاں ہیں بڑی کا نام لیلا، منجھلی کا اوشا اور چھوٹی کا رتنا ہے۔

ایک شعلہ جو شیشہ میں بجھ گیا تھا، تناسخ کے عمل نے اس شعلہ کو آپ کے انسانی پیکر میں متحرک کر دیا ہے۔

**کپتان احسان قادر:۔** خوش رو، خوش گفتار اور خوش کردار نوجوان ہیں۔ سر عبدالقادر سابق جج لاہور ہائیکورٹ کے فرزند ہیں، آپ کے والد پنجاب کی بزرگ ہستی اور اردو ادب کے خوش نگار ادیب ہیں۔

کیپٹن احسان قادر آزاد ہند فوج میں آرگنائزر کے عہدہ پر مامور تھے مفتوحہ علاقوں کا انتظام آپ ہی کے سپرد ہوتا تھا۔

علامہ اقبالؒ نے آپ کے والد کو بانگ درا میں ان الفاظ سے خطاب کیا ہے

| | |
|---|---|
| اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا اُفقِ خاور پر | بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں |
| اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق | سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں |
| اس چمن کو سبق آئینِ نمو کا دے کر | قطرۂ شبنمِ بے مایہ کو دریا کر دیں |
| شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں | خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں |

احسان قادر، شاعرِ مشرق کی اس شگفتہ آرزو کا دلآویز نکھار ہے۔

**کرنل لوگاناتھن:** آپ صوبہ دہلی میں ہیلتھ آفیسر تھے، جنگ شروع ہوئی تو فوج میں طبی خدمات پر چلے گئے، ۱۵ر فروری ۱۹۴۲ء کو سنگاپور بھیجا گیا۔ ہسپتال کے انچارج رہے اور لفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر کام کیا، ستمبر ۱۹۴۲ء میں آزاد ہند فوج میں شامل ہو گئے، اور عارضی حکومت کے منشور پر کابینہ کے رکن کی حیثیت سے دستخط کئے، بنکاک کانفرنس میں بھی شرکت کی، آپکو آزاد ہند حکومت میں ڈائرکٹر آف میڈیکل سروس بنایا گیا، انڈیمان کے جزائر جب آزاد ہند حکومت کی تحویل میں دیدئے گئے تو آپ کو وہاں کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا جب سبھاش بابو نے آخری دفعہ برما کو چھوڑا تو آپ کو برما کمانڈ کا جنرل آفیسر کمانڈنگ بنایا گیا

**میجر جنرل عزیز احمد خاں:** آپ کپور تھلہ ریاست میں بھگوال کے باشندے ہیں آپکا خاندان امارت اور شکوہ کے اعتبار سے راجپوتوں میں یگانہ سمجھا جاتا ہے، آپ بہت بڑے زمیندار ہیں، آپکے والد اخلاق اسلاف کی شمع فروزاں ہیں، آپکے ایک بھائی ریاست میں سشن جج ہیں دوسرے بڑے بھائی چودھری عبد العزیز بھگوالیہ انتقال کر چکے ہیں وہ ریاستی پنجاب کے ایک مایہ ناز راہنما تھے، کپور تھلہ میں بہت سی اصلاحات مرحوم ہی کی مساعی کا نتیجہ ہیں۔

آپ ریاستی فوج میں کپتان کے عہدے پر تھے، جاپان کی لڑائی میں خاصی ناموری حاصل کی، سقوط سنگاپور کے نتائج نے آپ کو بھی آزاد ہند فوج میں شمولیت پر مجبور کر دیا، آزادی ہند کا ذوق موروثی تھا، آج

مضطر کی طرح آگے بڑھے اور اپنی بہادری و کارگذاری کے طفیل سبھاش بابو کے معتمد علیہ بن گئے اور میجر جنرل کا عہدہ پا لیا، آپ آزاد ہند فوج کے ان گنے چنے افسروں میں سے تھے، جن سے یہ سارا ڈھانچہ عبارت تھا آپکو برما کی ہندوستانی آبادی کا گورنر مقرر کیا گیا ؛

وقت کی ارزاں بخششیوں نے حالات کی جدید رد میں بعض ناموں کو آگے پیچھے کر دیا ہے ورنہ آپ کا درجہ آزاد ہند فوج میں اُن دو تین لوگوں کے ساتھ تھا جنکی بصیرت پر سبھاش بابو کو بھروسہ تھا، آپ عارضی حکومت کی کابینہ کے ممبر بھی تھے ۵ مئی ۱۹۴۶ء کو دہلی سے رہا کر دیا گیا، آپ ایک رعنا جوان اور دلکش سیرت کے مالک ہیں۔

قدرت نے آپ کے انسانی لبادے میں ایک برق بے اماں بھر دی ہے جو عصر غلامی پر کوندنے کیلئے ہر لمحہ بیتاب رہتی ہے اقبال نے ایسے نوجوان ہی کے متعلق کہا تھا ؎

اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزال تاتاری

لفٹیننٹ ناگ :- پورا نام ڈی۔ ہی ناگ، آغاز جنگ سے پہلے بنگال میں مجسٹریٹ تھے پھر فوج میں بھرتی ہو گئے سقوط سنگاپور سے پہلے ہوائی حملے کے سبب زخمی ہو گئے پھر قید کر لیا گیا، آپ نے کپتان مارتھر کی مدد سے کرنل بھونسلے اور کرنل حبیب الرحمٰن کے حسب الحکم آزاد ہند فوج کا ضابطہ تیار کیا ؛

**کپتان ارشاد:** سیکنڈ پنجاب رجمنٹ کی پانچویں بٹالین میں ملازم تھے۔ آزاد ہند فوج میں شامل ہو کر مختلف محاذوں پر دادِ شجاعت دی، آپ نے رنگون میں اتحادی فوجوں کے داخلہ تک سبھاش بابو کے حسب الحکم، بحالی امن کے فرائض ادا کئے، آپ نے پہلے مقدمہ میں جس بے خوفی سے صفائی کی شہادت دی وہ یادگار اور معلومات کے اعتبار سے تاریخی سرمایہ ہے۔

**کپتان برہان الدین:** مہتر آف چترال کے چھوٹے بھائی ہیں، آپ آزاد ہند فوج میں اس جانثار گروپ کے انچارج آفیسر تھے جو دشمن کی فوج میں گھس کر اطلاعات فراہم کرنے اور ہندوستان میں بغاوت پیدا کرانے کے فرائض سرانجام دیتا تھا،

آپ ایک اُجلے دماغ کے دراز قد نوجوان ہیں، ارادہ چٹان کی طرح مضبوط اور دل آبشار کی طرح صاف ہے ہر وقت چہرے پر سپاہی کی سنجیدگی تبسم کے ساتھ بکھری رہتی ہے۔ علامہ اقبال نے آپ ایسے نوجوانوں کے لئے ہی دعا کی تھی ؎

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی!
خدا کرے کہ جوانی رہے تری بے داغ

آپ کا عدالتی بیان صافگوئی کی نورانی موج ہے، آپ کی سزا سات سال ہے، معلوم نہیں آپ کو کونسی جیل میں رکھا گیا ہے، البتہ آپ کی یاد بہت سے دلوں کی عزیز متاع ہے،

**جنرل موہن سنگھ** :- سرو قد نوجوان، جس کی پیشانی پر یقین کا خلوص اور آنکھوں میں "ٹوٹ تو سکتا ہوں لیکن میں لچک سکتا نہیں" کی جھلک، بُشرے پر تلوار کی ہنسی، سیالکوٹ، پنجاب کے ایک گاؤں کا باشندہ، برطانوی امتیازات کا پہلا باغی اور آزاد ہند فوج کا بانی، اگر آپ کو ملک میں سبھاش بابو کا سا مرتبہ حاصل ہوتا تو آپ کا نام اسی طرح گونجتا آپ کی اٹھائی ہوئی نیو، جس پر کچھ جزوی حصے بھی بن گئے تھے، ایک پوری عمارت کیلئے راستہ کی مشعل بن گئے راش بہاری بوس کی بہ وجاپان پالیسی سے اختلاف کیا اور جاپانی افسروں کی رائے کی مزاحمت کی، تو آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔

کرنل ڈھلوں آپ کی شخصیت کو بے حد سراہتے ہیں، میں نے ان سے ایک سفری ملاقات میں دریافت کیا تھا کہ سبھاش بابو نے جنرل موہن سنگھ کی رہائی کیلئے کوشش کیوں نہیں کی، وہ پہلے تو چپ ہو رہے اور پھر بکھرے ہوئے الفاظ میں ایک فقرہ کہہ گئے جو غالباً اس طرح ترتیب پاتا تھا "بیشتر افسر ذاتی رقابت کے خیال سے ایسا نہیں چاہتے تھے"۔

آپ کو مئی ۱۹۴۶ء میں دہلی سے رہا کر دیا گیا، اکالیوں نے آپ کے معاملہ کو فرقہ وارانہ رنگ دینا چاہا لیکن آپ نے ہندوستان کی آزادی کے لئے غیر متحدہ اشکال کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔

**کیپٹن لکشمی** :- صبا کا لوچ جو تلوار کی دھار بن گیا ہے۔ کیپٹن لکشمی مو کا ناتھن مدراس کے ایک ایسے گھرانے

کی بیٹی ہے جس کے صبح و شام نغمہ و شعر کی بہتی ہوئی آگ سے گداز ہوتے رہے ہیں، آپ کے والد مدراس کے ایک کامیاب بیرسٹر تھے، جو آپکی کم سنی کے زمانہ ہی میں رحلت کر گئے قدرت نے دولت سے ان کا دامن بھر دیا تھا، آپ کی والدہ شریمتی رمولا بائی، جو اب مرکزی اسمبلی کی ممبر ہیں جدید تہذیب کی انتہائی دلدادہ تھیں، آپ کا محل نما مکان، بہترین، شاعروں، مصوروں، موسیقاروں اور فن کاروں، کی خاطر مدارات کے لئے مشہور تھا، لکشمی، انہیں میں کھیلی، پلی اور بڑھی، کہا جاتا کہ آپ کی طفولیت کا زمانہ ایسے دریا کی طرح گذرا جو خاموشی سے بہتا ہو، جوانی میں دلکشی چودھویں کے چاند کی طرح نکھر گئی ساحل کے کناروں پر موڑ چیلائی، اور شانوں پر سیاہ گیسو لہراتے ہوئے یوں گذر جاتی جیسے کوئی ابر پارہ مے خانہ سے ہو کر گذر گیا ہو، حصول تعلیم کا ذوق فطرت کا جذبہ تھا انٹرمیڈیٹ کے امتحان میں کامیابی حاصل کر کے میڈیکل کالج میں داخل ہو گئیں بہت سے لوگوں نے شادی کی خواہش ظاہر کی، لیکن آپ نے درخود اعتنا نہ سمجھا اسی اثنا میں بنگلور کے ایک ماہر پیدائش برہمن زادے سے آنکھیں چار ہوئیں، دونوں طیاروں کی سیر کا خط اٹھاتے آہستہ آہستہ تعلقات پھیل کر ازدواجی زندگی میں محصور ہو گئے، اتنے میں آپ نے مدراس میڈیکل کالج سے ڈاکٹری کی سند حاصل کر لی۔ اور پھر جب ازدواجی زندگی کا شیشہ مکدر ہو گیا تو سنگاپور چلی گئیں، اور وہاں ڈاکٹر کے طور پر پریکٹس شروع کر دی، اس سے پہلے آپ انگلستان بھی ڈاکٹری تعلیم

کے خیال سے گئیں لیکن اس آباد ویرانے میں طبیعت نہ لگی اور لوٹ آئیں ۔

جب سنگاپور جاپانیوں کی دستبرد میں آگیا تو آپ نے شہر کو چھوڑنے سے انکار کردیا، عام طور پر یہ سمجھا گیا کہ آپ جاپانیوں کی قید میں ہیں، لیکن جب سی گاؤں سے عارضی حکومت کی خبر نشر کی گئی تو آپ کا نام بھی کینٹ میں تھا،

آپ کو رانی جھانسی رجمنٹ کا کمانڈنگ آفیسر بنایا گیا، آپ نے ہندوستانی عورتوں کی ایک بہت بڑی فوجی جمیعت تیار کی، ہسپتال میں زخمیوں کا علاج کیا اور میدان جنگ میں کندھے پر بندوق رکھکر اتحادی سپاہ کا رخ پھیرا،

فوجی وردی میں آپ کی جو تصویریں، مختلف اخباروں میں چھپی ہیں، انمیں ایک تصویر، رانی جھانسی رجمنٹ کے مارچ کرنیکی بھی ہے پیچھے پیچھے نوجوان لڑکیاں، بندوق اٹھائے اور قدم بڑھائے آرہی ہیں۔ آگے آگے آپ خنک چشمہ لگائے فوجی سلام کرتے ہوئے دکھائی دیتی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی خوش خرام ندی، طوفانی ارادہ لئے بڑھ رہی ہے، اور خوشبو کا آبشار بہہ رہا ہے، ترنگے جھنڈے کی اڑانیں اس پر سایہ کئے ہوئے ہیں۔

کپتان لکشمی ؛ معلوم ہوتا ہے کسی یونانی شاعر کا خواب، موسیقی کی رنگت اڑاکر عورت کے لباس میں منتقل ہوگیا ہے ؛

—— اتحادی فوجیں رنگون میں داخل ہوئیں تو آپ وہیں تھیں۔ رانی جھانسی رجمنٹ کو کچھ دن پہلے توڑ دیا گیا تھا، اور بیشتر عورتیں ملایا روانہ کر دی گئی تھیں، آپ کو بھی برطانی سرکار نے گرفتار کر لیا، لیکن آخر کار رہا کرنا پڑا، اپریل ۱۹۴۶ء کے تیسرے ہفتہ آپ طیارے پر ہندوستان آگئیں اور آجکل اپنی ماتا کے پاس مدراس میں مقیم ہیں، پچھلے دنوں اخباروں میں یہ خبر آئی تھی کہ آپ کی شادی کرنل سہگل سے ہونے والی ہے مگر آپ نے اس کی تردید کر دی ہے۔

ہندوستان اپنی تاریخ کے اس سرمایہ کو آسانی سے نہیں بھلا سکتا ہے ؛؛

# ماخذ

1. TWO HISTORIC TRIALS IN RED FORT
2. THE I.N.A. HEROES BY HERO PUBLICATIONS
3. MEET THE HEROES
4. DAILY TRIBUNE LAHORE.
5. DAILY HINDUSTAN TIMES DELHI.

(۶) کانگریس کی ذمہ داری متعلق فسادات سنہ ۱۹۴۲ء، سنہ ۱۹۴۳ء۔ ناشر مطبوعات حکومت ہند دہلی۔
(۷) سبھاش بابو جاپان کسطرح گئے۔ مصنف لالہ اُتم چند
(۸) نیتاجی . . . . . . . . . . چمن لال آزاد
(۹) تاریخ آزاد ہند فوج مصنف امداد صابری
(۱۰) مقدمہ آزاد ہند فوج " "
(۱۱) داستان آزاد ہند فوج " منشی عبدالقدیر دہلوی
(۱۲) نشانہ غم سید امیر احمد علوی ڈپٹی کلکٹر یو۔ پی

میاں محمد حنیف پرنٹر و پبلشر نے دین محمدی پریس لاہور میں چھپوا کر اردو اکیڈمی لاہور سے شائع کیا